www.urducouncil.nic.in

جون 2017، قیمت:- ₹10/-

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

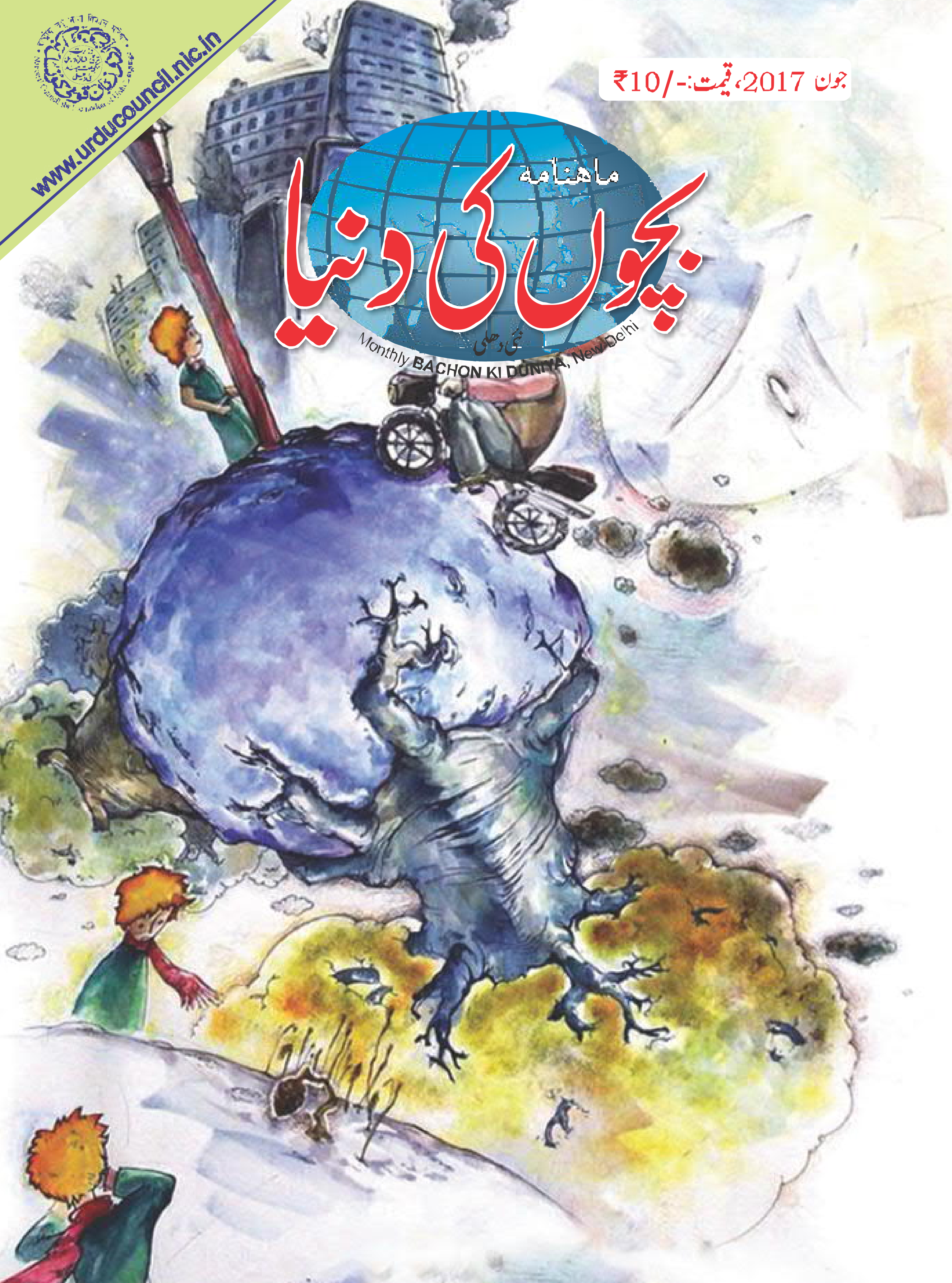

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

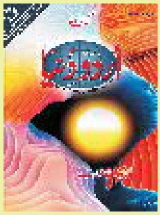

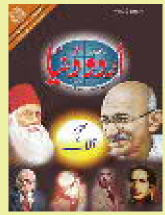
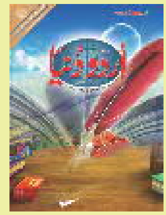

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

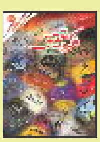

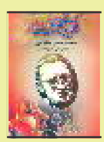

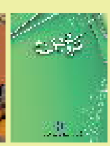

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 6 جون 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/روپے، سالانہ 100/روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اوراس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یر جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	آپس کی باتیں	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ڈاک خانہ	05
نظمیں	روزے اور عید	اسماعیل میرٹھی	06
	عید	شیدا بگھونوی	07
	عید مبارک	معین الدین شمسی	07
ادب اور سائنس	خلائیں منشورہ	غاور نقیب	08
مضمون	بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو	پریمی رومانی	13
نظمیں	ایک انوکھا ہیت	ذکیہ مشہدی	15
	موبائل فون	جمال اختر	15
مضامیں	حیرت انگیز عجائبات کا مجموعہ: چیونٹی	رضاء الرحمن عاکف	16
	بایومیٹرک نظام	نسیم سعید	18
کہانیاں	سب سے بڑی طاقت	صبیحہ انور	21
	پیار بھرا تحفہ	عطیہ بی	25
	دلی کا سفر	سفینہ بیگم	27
	مختصر کہانیاں	عادل حیات	31
نظم	تندرستی	نور آفاق وانمباڑی	33
کہانی	کبھی شرارت نہ کرنے والا لڑکا	الکا سراوگی	34
باتصویر کہانی	ایک دکھ بھری کہانی	اقبال برکی	38
قسط وار ناول	زمین کی تہہ میں	شکیل صدیقی	42
کہکشاں	گرمیوں کی تعطیلات کا استعمال	سیدہ فاطمہ زہرہ	49
	خوشبو بھری باتیں	محمد اسد مقصود احمد	50
	اقوالِ زریں	عائشہ صدیقہ	50
	اچھی باتیں	محراج الدین	51
	انمول موتی	نظام الدین بھگونوی	51
	وفاداری	بیگ شگفتہ سلیم	52
	معلورت	خان صدیق خان سلیم	53
	اوٗ اردو سیکھیں		54
ننھے فنکار	شراب کی لت	اظہر نیر	55
	تعلیم کی عظمت	فری فاطمہ	57
	ہنسی کے غبارے		58
	بچوں کی پینٹنگ		59
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

دوستو! 'بچوں کی دنیا' نے چار برسوں کے اشاعتی سفر میں جو مقبولیت حاصل کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے عہد کے بچے اپنی زبان اور ثقافت کے تئیں نہایت حساس اور بیدار ہیں۔ ان میں نئی نئی معلومات حاصل کرنے کا جذبہ بھی ہے۔ گذشتہ دو دہائیوں میں اردو زبان میں بچوں کے رسالوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہوا ہے۔ نئے نئے رسائل شائع ہونا شروع ہوئے ہیں جن میں بچوں کی دلچسپیوں کا خیال رکھتے ہوئے تخلیقات کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ تمام ہی رسالے بچے بڑی دلچسپی اور لگن کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ 'بچوں کی دنیا' ہندوستان کے طول و عرض میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خاص طور پر وہ علاقے جہاں اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں 'بچوں کی دنیا' کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ بچوں کے ساتھ بڑے بھی بہت بے چینی کے ساتھ اس رسالے کا انتظار کرتے ہیں۔

پیارے دوستو! یہ شمارہ جون کا ہے اور آپ سب کو پتہ ہے کہ جون میں بہت سخت گرمی پڑتی ہے۔ ہمارے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ آنے والے برسوں میں گرمی اور زیادہ بڑھے گی اور اِس کے اضافے کا سبب گلوبل وارمنگ (عالمی حرارت) ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ عالمی حرارت کیا ہے۔ تو ہم آپ کو یہ بتادیں کہ اس کرۂ ارض پر بہت ساری تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ گلیشیر پگھل رہے ہیں، جنگلات ختم ہو رہے ہیں، سمندر کی سطح میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے علاوہ فیکٹریوں، کارخانوں سے نکلنے والے دھوئیں نے ماحول کی آلودگی کو بڑھا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق انسان اِس عالمی حرارت کے بڑھانے کا سب سے زیادہ ذمے دار ہے۔ 1950 کے بعد سے درجہ حرارت میں ہونے والی تبدیلی کی سب سے بڑی وجہ قدرتی وسائل سے چھیڑ چھاڑ ہے۔ انسانوں کی وجہ سے ہی گرمی بڑھانے والی گیسوں (Green house Gases) میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اگر صورت حال ایسی ہی رہی تو آنے والی صدی میں درجہ حرارت 3 فیصد مزید بڑھ سکتا ہے جو ہماری زمین کے لیے انتہائی خطرناک ہوگا۔ عالمی حرارت کی وجہ سے انٹارکٹیکا کی برف پگھلنے لگی ہے۔ یہی نہیں بلکہ سمندروں کی سطح میں ادھر سو برسوں میں اتنا زیادہ اضافہ ہوا ہے جو گذشتہ کئی ہزار برسوں میں نہیں ہوا تھا۔ اِس کے علاوہ زمین سے آکسیجن کی مقدار بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ آکسیجن کے کم ہونے سے انسانی زندگی کو کس قدر خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، ان سب کے لیے ذمے دار بھی ہم ہی ہیں۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر ہم کیا کریں اور اسے کیسے روکا جائے۔ اِس سلسلے میں ساری دنیا کے سائنس داں سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور کئی اہم فیصلے لیے جاتے ہیں لیکن ان سب کو روکنے اور ماحولیات کا توازن برقرار رکھنے کے لیے ہم سب کو اپنی اپنی سطح پر بھی کوشش کرنی چاہیے۔ درختوں کا تحفظ کیا جائے، زیادہ سے زیادہ پیڑ لگائے جائیں۔ پانی کا غلط اور بے جا استعمال نہ ہو، پانی میں گھروں کی گندگی نہ پھینکی جائے، کوڑے کو جلانے میں احتیاط برتیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے لوگوں میں ماحولیات کے تئیں بیداری لانے کے لیے 5 جون کو ماحولیات کا عالمی دن بھی منایا جاتا ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ لوگ ماحولیات کے تئیں سنجیدہ ہوں اور قدرتی وسائل کے تحفظ میں اپنا موثر کردار ادا کریں۔

اب آپ 'بچوں کی دنیا' پڑھیں۔ اِس ماہ ہم نے آپ کے لیے بہت اچھی نگارشات اور تخلیقات شمارے میں شامل کی ہیں جو آپ کو بے حد پسند آئیں گی۔ 'بچوں کی دنیا' کے بارے میں آپ کے قیمتی مشوروں کا ہمیں ہمیشہ ہی انتظار رہتا ہے۔ آپ سبھی کو رمضان اور عید سعید کی ڈھیر ساری مبارکباد!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

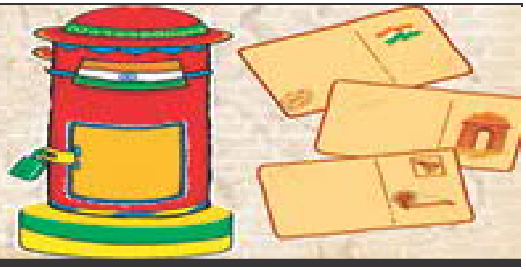

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' روزِ اوّل سے پابندی سے مل رہا ہے۔ یہ ایک انتہائی معیاری رسالہ آپ کی فعال ادارت میں نکل رہا ہے جس کی آپ کو دلی مبارک باد عرض خدمت ہے۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ، 15، مولانا آزاد ہاؤسنگ سوسائٹی، روزہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

سال 2017 کا پہلا شمارہ سائنس کی تفصیلی معلومات دیتا ہوا منظرِ عام پر آیا۔ 'ارسطو' اور 'لوئی پاسچر' پر نہایت معلومات مضامین نوخیز ذہنوں کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنیں گے۔ ان میں کچھ نیا کرنے کا حوصلہ پیدا کریں گے۔ پرندوں پر 'سالم علی' صاحب نے بڑا یادگار کام کیا ہے۔ پرندوں کا جب بھی ذکر ہوگا انھیں ضرور یاد کیا جائے گا۔ غلام حیدر صاحب کی مشہورِ زمانہ کتاب 'پیسے کی کہانی' پر عبدالرشید اعظمی صاحب نے بڑا ہی اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ غلام حیدر صاحب کا بچوں کے ادب پر بڑا کام ہے، بڑا نام ہے۔ ننھے قلمکاروں کے لیے وہ برسوں سے تنِ تنہا جدوجہد کر رہے ہیں۔ 'کاغذ کی کہانی' اور 'بادشاہ نوتن خموان' ساتھ ہی سائنس داں محمد خلیل کا مضمون 'نیشنل سائنس سینٹر کی سیر' معلومات مہیا کرنے والے مضامین ہیں۔ غرض یہ کہ اس شمارے کا ہر مضمون اور ہر نظم اس شمارے کو یادگار بناتی نظر آرہی ہے۔

وکیل نجیب، نزد لال اردو اسکول، مومن پورہ، ناگپور، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' نہایت شاندار اور دیدہ زیب ہے۔ اس

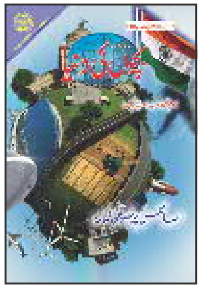

کی تعریف وتوصیف حقیقتاً سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی۔

شکیل احمد شکیل، مالیگاؤں، مہاراشٹر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' یقیناً بچوں کے لیے زبان اردو سکھانے کا ایک جدید ذریعہ ابلاغ ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسا معیاری رسالہ ہے جو عروسِ جمیل در لباسِ حریر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

محمد شہزاد کٹیہار، متعلم جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

ماہِ اپریل کے شمارے میں ہمارے مدرسے کی طالبات کے مضامین چھپے ہیں میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں چونکہ مدرسہ کا احاطہ پچھڑے طبقے کا ہے۔ زیادہ تر بچیاں غریب گھرانے کی ہیں اس طرح ان کا مضمون دیکھ کر سرپرست بہت خوش ہوئے جیسے گھر میں عید ہوگئی۔ طالبات کا اسمبلی میں بھی استقبال کیا گیا۔

سیدہ مظہر سلطانہ، مددگار معلّمہ، فاطمہ گرلس اردو ہائی اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

کل جب میں اپنے اسکول سے گھر پہنچی تو 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی ساری تکان غائب ہوگئی۔ یہ واقعی بچوں کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔ عوام تک پہنچانے میں آپ کی محنت کا کوئی جواب نہیں۔

فاطمہ شاہین، D-813، جی ٹی بی نگر، کریلی، الہ آباد، یوپی

اسماعیل میرٹھی

روزے اور عید

تیس دن بھوک پیاس کو روکو
یہ ریاضت ہے آدمی کو مفید

رمضان کا مہینا یوں گزرا
ختم روزے ہوئے تو آئی عید

عید کے دن پڑھو نماز و دُعا
عذرِ تقصیر کی کرو تمہید

کہ خدایا نہ ہو سکی طاعت
نہ ہوا ہم سے کوئی کارِ سعید

نہ ہوئی تیرے حکم کی تعمیل
نہ ہوئی اہلِ رُشد کی تقلید

کوئی خدمت بجا نہ لائے ہم
جنسِ عقبیٰ کی کر سکے نہ خرید

جو ہوا تیری مہربانی سے
ناتوانوں کی تونے کی تائید

شکر کی تونے ہم کو دی توفیق
شکر سے تیری نعمتیں ہیں مزید

شکرِ نعمت بھی تونے سکھلایا
ورنہ تھا ہم سے تو بہت ہی بعید

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ریاضت	مشق، ورزش	تمہید	بات شروع کرنا، آغاز
عُذر	معافی کی طلب	کارِ سعید	نیک کام، اچھا کام، نیکی
تقصیر	کوتاہی، قصور، گناہ	اہلِ رُشد	وہ لوگ جو سیدھے راستے پر ہوں، نیک لوگ
تقلید	پیروی کرنا، پیچھے چلنا	ناتواں	کم زور
بجالانا	انجام دینا	مزید	زیادہ
جنسِ عقبیٰ	وہ باتیں اور کام جو آخرت میں کام آئیں	بعید	دور، مشکل

ماخذ: بچوں کے اسمٰعیل میرٹھی
حکیم نعیم الدین زبیری،
ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
اشتراک: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

■ شیدا بگھونوی

عید

کیا کہوں کس سے کہوں کیسی ہے چاہت عید کی
رات بھر سونے نہیں دیتی مسرت عید کی
تیس روزے جس نے رکھے اور کیا خوفِ خدا
اُس سے جاکر پوچھیے کیسی ہے عظمت عید کی
گھر نہیں، کپڑا نہیں، کھانے کو دانہ بھی نہیں
مفلسی بن جاتی ہے اکثر اذیت عید کی
سب ہی ملتے ہیں گلے، کم فاصلے ہوتے نہیں
بن گئی ہے بس گلے ملنا روایت عید کی
صرف اب فیشن ہیں شیدؔا عید کے رسم و رواج،
دل سے دل مل جائے تو دیکھو مسرت عید کی

■

Shaida Baghaunvi
Secretory 'Shaida Library'
P.O: Shahpur Baghauni
Via-Waini, Samastipur - 848131 (Bihar)

■ معین الدین شمسی

عید مبارک

عید ملن کی بیلا ہے
گاؤں نگر میں میلا ہے

اپنے گھروں میں سب حاتم
ہر کوئی خرچیلا ہے

بچے خوش ہیں بوڑھے شاد
موسم بھی البیلا ہے

رنگ برنگے کپڑوں سے
انور، نور، شکیلہ ہے

دیکھ کے قسمت صائم کی
شیطاں میں واویلا ہے

گھر سے حرم تک رستے میں
روح ملک کا ریلا ہے

شمسی رمضاں بھر مغموم
آج کے دن پھرتیلا ہے

■

Moinuddin Shamsi
Islamia Middle School
Giridih - 815301 (Jharkhand)

خاور نقیب

خلا میں مشاعرہ

گھر پہنچتے ہی ذہین کی زبان چل پڑی۔ وہ اپنی ماں کو سائنس میلے کے بارے میں فرفر بتاتا چلا گیا۔ اس کی ماں سلطانہ بیگم اپنے بیٹے کی باتیں بڑے غور سے سن رہی تھیں:

ذہین: امی! سائنس میلے میں ایک بڑی سی تصویر لگی تھی جس میں مختلف ستاروں اور سیاروں (Planets) کو دکھایا گیا تھا اور درمیان میں علامہ اقبال کی خوب صورت سی تصویر تھی جس کے نیچے کئی شعر درج تھے۔

سلطانہ بیگم: کیا وہ اشعار تم کو یاد ہیں؟

ذہین: ہاں! کچھ کچھ یاد آرہے ہیں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

سلطانہ بیگم: واہ، بہت خوب، اچھا بتاؤ، تم نے سائنس میلے میں اور کیا کیا دیکھا؟

ذہین: وہاں کی تو مت پوچھیے، جگہ جگہ شوکیس میں انتہائی دلچسپ ماڈل اور سائنسی آلات سجے ہوئے تھے۔ وہاں بچوں کو کئی طرح کے سائنسی تجربات بھی دکھائے گئے۔ لیکن سب سے دلچسپ وہ سیارہ گاہ (Planetarium) تھی جہاں سورج اور سیاروں کی گردشیں دکھائی گئیں، کہکشاں، دم دار تارا (Comet) اور مختلف سٹیلائٹ کے علاوہ چاند پر خلائی جہاز کو لینڈ کرتا ہوا بھی دکھایا گیا۔ سیارہ گاہ کا بڑا سا ہال اس وقت تالیوں سے گونج اٹھا جب پردے پر ہمارے ملک کے عظیم سائنس داں ڈاکٹر عبدالکلام کے سائنسی کارناموں کی جھلکیاں دکھائی گئیں۔ ساتھ ہی نیل آرم اسٹرانگ، راکیش شرما اور کلپنا چاؤلہ وغیرہ خلابازوں کو خلائی جہازوں میں پرواز بھرتے ہوئے دیکھ کر ہمیں ایسا لگا گویا ہمارا وجود بھی اڑا جا رہا ہو۔ میں اور میرے دوستوں نے خوب مزے لیے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ اسکرین پر چندریان کی پرواز اور سرخ سیارہ یعنی مریخ (MARS) پر بنی چھوٹی سی فلم بھی دکھائی گئی۔

سلطانہ بیگم: ذہین بیٹے! تم خوب دل لگا کر پڑھو۔ تم کو ایک سائنس داں بننا ہے اور راکیش شرما کی طرح خلا کا سفر بھی کرنا ہے۔

ذہین: امی، میں پڑھ لکھ کر ایک دن ضرور کامیاب ہوں گا۔ آپ تو جانتی ہیں کہ مجھے سائنس سے کتنا لگاؤ ہے۔

سلطانہ بیگم: ہاں، ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ سائنس تمھارا فیوریٹ اور پسندیدہ موضوع ہے۔

ذہین: امی! راکیش بتا رہا تھا کہ آج ٹی وی پر مشاعرے کا پروگرام ہے۔

سلطانہ بیگم: ارے، ہاں ہاں، میں تو بھول ہی گئی تھی۔ مشاعرہ آج ہی تو ہے۔ لیکن بیٹے، پہلے تم سبق یاد کرلو۔ جب ٹی وی پر مشاعرے کا پروگرام شروع ہوگا میں تم کو بلالوں گی۔

ذہین: ٹھیک ہے امی، جیسا آپ کہیں۔

ذہین پڑھائی کے کمرے میں جا کر سبق یاد کرنے لگا۔ ''سورج ایک ستارا ہے۔ سورج کے ارد گرد سیارے گردش کرتے ہیں۔ زمین، نظامِ شمسی (Solar System) کا تیسرا سیارہ ہے۔ چاند، زمین کا ایک ذیلی سیارہ ہے جو سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ ستارے ہم سے ہزاروں نوری سال (Light Year) کے فاصلے پر ہیں اس لیے وہ ہم کو چھوٹے نظر آتے ہیں۔ عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، ز... ز... ز... حل۔ ذہین کی زبان نیند کے غلبے سے لڑکھڑا گئی اور وہ اونگھتے اونگھتے میز پر سر ٹکا کر سو گیا۔

سلطانہ بیگم باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ انھوں نے سوچا کہ ذہین سبق یاد کرتے ہوئے کہیں سو نہ جائے، وہ جلدی جلدی دودھ کا گلاس لیے پڑھائی کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ذہین کو اس طرح سوتا ہوا دیکھ کر ان کو بڑا ترس آیا۔ وہ قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ ذہین کسمسا کر بیدار تو ہو گیا لیکن اس کی آنکھیں نیند سے جھکی جا رہی تھیں۔ سلطانہ بیگم نے اس کو بڑے پیار سے دودھ پلایا اور سونے کے کمرے میں لے آئیں۔ ٹی وی پر مشاعرے کا پروگرام چل رہا تھا۔ ذہین بستر پر لیٹے لیٹے پروگرام دیکھنے لگا مگر سائنس میلے کی سیر نے اتنا تھکا دیا تھا کہ اسے پھر نیند آ گئی اور وہ خراٹے لینے لگا۔ اس کے ذہن و خیال میں خواب کی پریاں اڑنے لگیں۔

اسکول کا لبریٹری ہال روشن ہے۔ کئی بچے مختلف سائنسی اوزار اور ماڈل کا بہ غور جائزہ لے رہے ہیں۔ وہ سب الگ الگ بھیس میں ہیں۔ کوئی راکیش چکبست بنا ہوا ہے تو کوئی ذہین غالب۔ کوئی روی فراق کے بھیس میں ہے تو کوئی ساجدہ صدف اور عارف اقبال کے روپ میں ہے۔ ذہین غالب اور روی فراق خلائی جہاز کے ماڈل کو بڑی ہی دل چسپی سے دیکھ رہے ہیں۔ راکیش چکبست اور ساجدہ صدف کے درمیان نئے سیاروں کی دریافت پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اچانک ہیل کے دروازے سے بے شمار کرنیں گزر کر فرش پر بکھر سی گئیں۔ یہ دیکھ کر سارے بچے چونک اٹھے۔ ان کی نگاہیں فرش پر بکھری ہوئی آڑی ترچھی کرنوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یک بہ یک روشنی کچھ اور تیز ہو گئی اور گونج دار آواز کے ساتھ ایک اڑن طشتری تجربہ گاہ کے گارڈن میں لینڈ کرتی ہوئی نظر آئی۔ اس منظر سے سراسیمہ ہو کر بچوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ راکیش چکبست نے اشارے سے سبھوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ باہر گھوں گھوں کی آواز بند ہوتے ہی اڑن طشتری کا دروازہ کھلا اور ایک عجیب و غریب خلائی روبوٹ باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کی نیلی آنکھوں سے کئی رنگوں کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ روبوٹ نے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ کر گملوں کے پودوں کی طرف

متوجہ ہوگیا۔ ابھی وہ پھولوں اور پودوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ ساجدہ کو زور کی چھینک آگئی۔ چھینکنے کی آواز سن کر روبوٹ اچھل پڑا۔ اب وہ مڑکر بچوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ روبوٹ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بچے اور بھی سہم گئے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں عجیب سی معصوم چمک تھی۔ وہ سبھی روبوٹ کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک روبوٹ میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تجربہ گاہ کے اندر داخل ہوگیا۔ اس نے بچوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ پھر وہ مختلف سائنسی آلات کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ روبوٹ کو اتنا قریب دیکھ کر ساجدہ جھٹ سے بول اٹھی ''ارے یہ تو بالکل ہمارے جیسا ہے۔ لیکن یہ ہماری زبان سمجھ بھی سکے گا یا نہیں؟'' ساجدہ کی بات سن کر روبوٹ بچوں کے اور قریب آگیا۔ اس کے اندر سے ایک پیاری سی آواز ابھری ''پیارے بچو! میں تمھاری زبان سے بخوبی واقف ہوں۔ میں نے یہ زبان انٹرنیٹ کے ذریعے سیکھی ہے'' یہ کہتے ہوئے روبوٹ آگے بڑھ کر ساجدہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ روبوٹ کا دوستانہ رویہ دیکھ کر سارے بچے کھل اٹھے اور انھوں نے باتیں شروع کردیں۔

راکیش چکبست: (روبوٹ سے ہاتھ ملاتے ہوئے) انکل، آپ کا نام کیا ہے اور آپ کہاں سے آئے ہیں؟

روبوٹ: بچو! میرا نام شاہین ہے۔ میں 15 لاکھ نوری سالوں کے فاصلے پر موجود ایک Spiral کہکشاں سے آیا ہوں۔ جسے تم لوگ اینڈرومیڈا (Andromeda) یا M-31 کے نام سے جانتے ہو۔

ذہین غالب: (ہاتھ ملاتے ہوئے) انکل روبوٹ! انڈرومیڈا کیسی جگہ ہے؟ کیا وہاں سائنس میلہ اور مشاعرہ منعقد ہوتا ہے؟

ذہین کے اس سوال پر وہ Andromeda کے بارے میں بتانے لگا لیکن سائنس میلہ اور مشاعرہ اس کی سمجھ میں نہیں آسکے۔ اس نے ذہین سے ان کے متعلق جاننا چاہا۔ ذہین تو منتظر ہی تھا۔ اس کی چرخی جیسی زبان چل پڑی۔ وہ مشاعرہ اور سائنس میلے کے بارے میں بتاتا چلا گیا۔ ذہین کی باتیں سن کر روبوٹ بہت ہی خوش نظر آنے لگا۔

ذهین غالب: انکل، اگر آپ چاہیں تو انڈرومیڈا میں مشاعرہ ہوسکتا ہے؟

راکیش: ہاں انکل، ہماری خواہش ہے کہ ہم آسمان کی سیر بھی کریں اور وہاں مشاعرہ بھی منعقد ہو۔

ساجدہ: انکل، آپ کوئی تدبیر ضرور کیجیے۔ خوب مزا آئے گا۔

بچوں کی ان باتوں پر روبوٹ کچھ دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر اس کے اندر سے آواز ابھری ''پیارے بچو! تم لوگوں کی یہی خواہش ہے تو پھر تیار ہوجاؤ۔ میں نے تدبیر سوچ لی ہے۔''

روبوٹ کو رضامند دیکھ کر بچے خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ رومی فراق اور عارف اقبال نے دیکھا کہ میز پر آکسیجن سے بھری ہوئی تھیلیاں رکھی ہیں۔ انھوں نے بلا تاخیر پانچ تھیلیاں منتخب کیں اور دوستوں میں تقسیم کردیں۔ راکیش اور ذہین الماری میں رکھے ہوئے خلائی لباس لے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پانچ خلاباز بچے، انکل روبوٹ کی ہدایت کے مطابق تیار ہوکر اڑن طشتری پہ سوار ہوگئے۔ روبوٹ نے Cockpit کی کرسی سنبھال لی۔ گھوں گھوں کی گونج دار آواز کے ساتھ اڑن طشتری اوپر اٹھنے لگی۔ بچے خوش ہوکر طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے۔

اڑن طشتری کے اندر ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ایک پردہ (Screen) روشن تھا جس پر طرح طرح کے آسمانی مناظر ابھر رہے تھے۔ بچوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور اسکرین پر کئی رنگوں کی چنگاریاں سی بکھر گئیں۔ یہ خوش نما منظر دیکھ کر بچے قلقاریاں بھرنے لگے۔ بچوں کے ہیڈ فون میں انکل روبوٹ کی آواز گونجی۔ "پیارے بچو! یہ ایک سپرنووا (Supernova) تھا۔ کبھی کبھی کوئی ستارا بھڑک اٹھتا ہے جس کے سبب خلا میں ایسا ہی خوب صورت مظہر (Phenomena) وجود میں آتا ہے۔" پردے پر ایک اور منظر ابھرا۔ بے شمار ستاروں کی ایک لڑی سی نظر آئی، جیسے آسمان پر ان گنت جگنوؤں کا قافلہ جا رہا ہو۔ یہ منظر اس قدر حیرت انگیز تھا کہ بچے واہ واہ کر اٹھے۔ روبوٹ نے بتایا "تم لوگوں کی کہکشاں یعنی آکاش گنگا (Milky Way) ہے۔" اسکرین پر ستاروں کی ایک اور جھرمٹ کو دیکھ کر راکیش نے پوچھا "انکل، یہ جھرمٹ کیسی ہے؟" روبوٹ نے بتایا "اسے تم لوگ سنبلہ (Virgo cluster) کہتے ہو۔" کچھ وقفے کے بعد ماجدہ صدف نے پوچھا "انکل، یہ نوری سال (Light year) کیا ہوتا ہے؟" اس سے پہلے کہ روبوٹ کوئی جواب دیتا عارف اقبال جھٹ سے بول پڑا "انکل، اس سوال کا جواب تو بہت ہی آسان ہے۔ یہ بات شاید آپ کو بھی معلوم ہوگی کہ ستاروں کے فاصلوں کو ناپنے کے لیے روشنی کی رفتار سے مدد لی جاتی ہے۔ جو ایک سیکنڈ میں 3 لاکھ کلو میٹر کے فاصلے طے کرتی ہے۔ روشنی اسی رفتار سے ایک سال میں جتنی دوریاں طے کرتی ہے اسے ایک نوری سال کہا جاتا ہے۔" عارف کا جواب سن کر روبوٹ واہ واہ کر اٹھا اور ماجدہ نے اسے مبارک باد دی۔ اسی دوران پردے پر کئی اور خوش نما مناظر نظر آئے۔ روبوٹ نے مشتری (Jupiter) کے چاند یعنی سیارچے یوروپا (Europa) کا مقام کی نشاندہی کی۔

ذیشان جو بڑی دیر سے موقعے کی تلاش میں تھا اس نے ہیڈ فون کو ایڈجسٹ کرتا ہوا پوچھا "انکل، کیا اس پردے پر ہم ہبل ٹیلی اسکوپ (Hubble Telescope) کو بھی دیکھ سکتے ہیں؟" ہیڈ فون میں روبوٹ کی آواز ابھری "میاں ذیشان! اسے تو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ یہ دوربین امریکی سائنس داں Edwin Hubble کے نام پر بنی ہے جو خلا (Space) کی تصویریں لینے میں بڑی مہارت رکھتی ہے۔" گفتگو کے دوران ماجدہ نے روبی کو اشارے سے سمجھایا کہ اسے بہت بھوک لگی ہے۔ روبی نے ہیڈ فون کے اسپیکر کو سامنے کیا اور انکل روبوٹ سے کہا "انکل، کیا ہم اندرومیڈا پہنچ کر ہی لنچ کریں گے؟" ہیڈ فون میں روبوٹ کی آواز ابھری "بچو، مجھے معاف کرنا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ٹھہرو میں ابھی آ رہا ہوں۔" روبوٹ Cockpit سے باہر آیا تو اس کے ہاتھوں میں کئی خوب صورت ڈبیاں تھیں۔ اس نے بچوں کو ڈبیاں دیتے ہوئے کہا "ان میں طاقت کی ٹکیاں ہیں جو خلائی سفر میں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ ٹکیاں تمھاری بھوک اور پیاس کو مٹا دیں گی۔" بچے روبوٹ کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ اب وہ اطمینان سے ٹکیاں چوس رہے تھے۔ اسکرین پر منظروں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ایک دم دار تارا (Comet) نظر آیا تو ذیشان نے کہا "انکل، اسے ہم ہیلی کا کامیٹ کہتے ہیں۔" روبی نے پوچھا "انکل، پردے پر ہمارا چاند کیوں نظر نہیں آیا؟" روبوٹ نے کہا "بچو، چاند تو ضرور نظر آیا ہوگا۔ شاید تم لوگ اسے پہچان نہیں سکے۔"

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ بچوں کی کیفیت عجیب سی تھی۔ خلا کے حیرت انگیز مناظر ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے۔ اچانک روبوٹ کی آواز نے انھیں چونکا دیا "پیارے بچو! خوش ہو جاؤ۔ ہماری اڑن طشتری اندرومیڈا کے حلقے میں داخل ہو چکی ہے۔ اب یہ لینڈ کرنے والی ہے۔ اس

خبر پر بچے خوش ہوکر تالیاں بجانے لگے۔ پھر روبوٹ نے ہدایت کی ''بچو، اپنی اپنی حفاظتی پٹیاں (Safety Belt) کھول دو۔ ہماری اڑن طشتری۔ انڈرومیڈا پر اتر چکی ہے۔

روبوٹ، کاکپیٹ سے نکل کر بچوں کو مبارک باد دیتا ہے۔ انڈرومیڈا کی زمین پر قدم رکھتے ہی بچے خوشی سے اچھل پڑتے ہیں۔ ان کے سامنے دور دور تک سیاہ اور بھوری چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں مشروم کی شکل کے پودوں سے سفید برادے جھڑ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا گویا پودوں سے برف کی جھیلی گر رہی ہو۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا اور یہی خاموشی وہاں کی آواز تھی۔ بچوں کی نگاہیں اوپر اٹھیں تو انھیں بے شمار بڑے اور چھوٹے ستارے نظر آئے۔ تاروں کے کئی خوشے (Cluster) جو ذرا قریب تھے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ساجدہ نے ایک نیلے سیارے کی طرف اشارہ کرکے پوچھا ''انکل، وہ کون سا سیارہ ہے'' روبوٹ نے کہا ''وہ تمھاری زمین ہے جسے تم لوگ Blue Planet کہتے ہو۔'' پھر روبوت کی ہدایت پر سارے بچے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے بیٹھ گئے۔

ذہین: انکل، ہم نے خلا کی تو خوب سیر کرلی اب بتایئے۔ یہاں مشاعرہ کیسے منعقد ہوگا؟

انکل روبوٹ! ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی یہ خواہش کس طرح پوری کی جائے؟

راکیش: انکل، یہاں تو کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ کیا آپ تنہا رہتے ہیں؟

روبوٹ: ہاں، میں ایک مدت سے تنہا ہوں۔ دراصل میں اس کہکشاں کا باشندہ نہیں ہوں۔ میرا خاندان پلوٹو (Pluto) کے آس پاس، پروکسیما سنٹری کے ایک بے حد سرد قبیلے میں آباد تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہاں برفیلی دھند اور گرد و غبار کی ایسی آندھی اٹھی کہ خاندان کا خاندان تباہ ہوگیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں زندہ رہا۔ اس وقت سے آج تک میں خلا کی وسعتوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ مگر میرا زیادہ وقت اسی انڈرومیڈا میں گزرتا ہے۔

راکیش: انکل، ابھی آپ جس دھند اور گرد و غبار کا ذکر کررہے تھے خلا میں ان سے کچھ مختلف چمک دار سحاب یعنی Nebule بھی ہوتے ہیں۔ ہماری زمین کے ایک سائنس داں Shepley نے 1917 میں Nebule کا سراغ لگایا تھا۔

اس معلومات پر روبوٹ نے راکیش کو خوب شاباشی دی۔

ساجدہ: انکل، کیا مشاعرہ اسی جگہ ہوگا؟

روبوٹ: ہاں، یہ جگہ مناسب ہے۔ لیکن میرا منصوبہ کچھ اور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مشاعرے کا چرچا خلا میں عام ہوجائے۔ اس کے لیے میں نے سوچا ہے کہ نزدیک اور دور کے ستاروں اور سیاروں تک مشاعرے کی خبر پہنچ دی جائے اگر ان ستاروں اور سیاروں میں کوئی مخلوق ہوگی تو وہ ہمارا پیغام سن کر مشاعرہ سننے ضرور آئے گی۔

روبوٹ کا منصوبہ کچھ اتنا ہی دلچسپ تھا کہ بچے خوش ہوکر اچھلنے لگے۔

اس کی دوسری اور آخری قسط
اگلے شمارے میں ملاحظہ کریں

■

Khawar Naqeeb
"Tarweej", P.O: Kood, Sungra
Distt.: Cuttack - 754221 (Odisha)

پریمی رومانی

بلبلِ ہند
سروجنی نائیڈو

بچو! آزادیِ وطن کی خاطر جن رہنماؤں نے قربانیاں دیں، اُن میں سبھاش چندر بوس، چندر شیکھر آزاد، بھگت سنگھ، پنڈت موتی لال نہرو، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، لالہ لاجپت رائے وغیرہ کے نام بڑے عزت واحترام سے لیے جاتے ہیں۔ ان رہنماؤں نے ہمارے ملک ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑا کر آزاد کرایا۔ سروجنی نائیڈو کا نام ایسے ہی جاں بازوں میں اہم اور قابلِ قدر مقام رکھتا ہے۔

سروجنی نائیڈو 13 فروری 1879 کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ اُن کے والد کا نام رگھوناتھ چٹوپادھیائے تھا۔ وہ بڑے ذہین اور تعلیم یافتہ تھے۔ وہ پیشے سے ڈاکٹر تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت یورپ میں گزرا تھا۔ یورپ میں قیام کے دوران انھوں نے وہاں کے رہن سہن سیاسی اور سماجی حالات کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد انھوں نے اپنی ساری زندگی تعلیم کے پرچار میں گزاری اور حیدرآباد میں نظام کالج کی بنیاد رکھی۔ سروجنی کی تعلیم و تربیت میں بھی ان کے والدین کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ ابتدا ہی سے بڑی ذہین اور پڑھنے لکھنے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی۔ انھیں انگریزی پر کافی دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے بارہ برس کی عمر ہی میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1895 میں ان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ولایت بھیج دیا گیا لیکن ان کی صحت خراب ہوگئی اور انھیں اٹلی جانا پڑا۔ یہاں اپنے قیام کے دوران انھیں اٹلی کے بڑے بڑے دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اس طرح ان

کا ذہن اور بھی کشادہ ہوگیا۔ وہ رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری سے کافی متاثر ہوچکی تھیں اور اسی رنگ میں شعر کہنے لگیں لیکن جلد ہی اُنھوں نے اپنی شاعری میں ہندوستانی روح پھونک دی۔

سروجنی نائیڈو کی شاعری میں خالص ہندوستانی روح تھرکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اُن کی اکثر نظموں میں ہندوستانی ماحول، یہاں کی فضاؤں، رہن سہن اور سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسی ملتی ہے۔ اس طرح سے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سے دیش میں انقلاب لانے کی کوشش کی۔

یورپ سے ہندوستان آنے کے بعد سروجنی نائیڈو نے اپنی ساری زندگی ملک اور سماج کے چند اہم مسائل کی طرف بھی توجہ کی جن میں عزت، ذات پات اور فرقہ پرستی کے خلاف جہاد بھی شامل ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے 1913 میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شمولیت کرکے ہندو مسلم ایکتا پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا۔

سروجنی نائیڈو 1915 میں کانگریس میں ایسی سرگرم عمل ہوئیں کہ بڑے بڑے لیڈر ان کے کارنامے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ امرتسر میں جلیانوالہ باغ کے سانحے میں کروڑوں ہندوستانیوں کی طرح سروجنی نائیڈو کا دل بھی بجھ گیا لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ اُن کا دل ہندوستان کے غلام در غلام لوگوں کی زندگی سے اوب گیا تھا۔ انھوں نے عوام کی ایسی زندگی کا قلع قمع کرنے کا وچن لیا تھا۔ چنانچہ وہ مہاتما گاندھی کی تحریک میں شامل ہوگئی اور ہر دم جنگ آزادی کے لیے کام کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ جب 1922 میں مہاتما گاندھی گرفتار کرلیے گئے تو انھیں اُس وقت سروجنی نائیڈو میں ہی آزادیٔ وطن کی روشنی نظر آئی اور اُن کی زبان سے بے اختیار یہ آواز نکلی کہ بھارت کی ایکتا میں تمھارے ہاتھ سونپتا ہوں، اس آواز نے ان کے وجود کو ہلا کے رکھ دیا۔ وہ دن رات لوگوں کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ ملک کے مفاد کے لیے کام کرتی رہیں۔ جب باپو جی کی نمک کی تحریک شروع ہوئی تو ہندوستان کے سب بڑے بڑے لیڈروں کے ساتھ سروجنی نائیڈو بھی گرفتار ہوئیں۔ سارے ملک میں ان کی گرفتاری پر ہاہا کار مچی۔ ملک کا بچہ بچہ ایک ہی جھنڈے تلے منظم ہوا اور بلا کسی رنگ نسل اور بھید بھاؤ کے آزادیٔ وطن کے لیے وہ سرگرم عمل ہوگئے۔ 1942 میں آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سمیت دوبارہ گرفتار ہوئیں لیکن اس بار آپ کی صحت خراب ہوگئی پھر بھی آپ اپنے عزم اور ارادے پر قائم رہیں۔ 15 اگست 1947 میں جب ہمارے لیڈروں کی قربانیاں رنگ لائیں۔ وطن آزاد ہوگیا تو سروجنی نائیڈو کو اترپردیش کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس عہدے پر رہ کر انھوں نے اپنے فرائض نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے۔ اس کے بعد آپ نے اور مختلف عہدوں پر کام کیا۔ 1948 میں جب باپو جی کا انتقال ہوا تو لاکھوں ہندوستانیوں کی طرح ان کا دل بھی ٹوٹ گیا۔ اپنے جوان بیٹے کے انتقال سے بھی سروجنی نائیڈو کو کافی صدمہ ہوا۔ خود ان کی صحت پہلے سے ہی بگڑ چکی تھی۔ ان صدموں کو وہ برداشت نہ کرسکی۔ آخر 1949 میں وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں بہت سی بہادر اور باہمت خواتین ملتی ہیں۔ سروجنی نائیڈو اُن میں سے ایک ہیں۔

■

Dr. Premi Romani
1806-D 'Asawari' Nanded City, Singhad Road, Pune - 411041 (Maharashtra)

■ ذکیہ مشہدی

ایک انوکھا ہیٹ

چوہے نے بلّی کو دوڑایا، بھاگ کے میرے ہیٹ میں آئی
چیونٹی نے ڈانٹا ہاتھی کو، بولا ہم بھی ہیں بھائی
کتا بولا چوں چوں چوں، چڑیا بولی بھوں بھوں بھوں
سات سمندر ہیٹ کے اندر، ڈولفن نے غزل سنائی
مینڈک بولا میاؤں میاؤں، بلی بولی ٹر ٹر ٹر
آؤ بھائی ہیٹ میں آؤ، سب پرانی* ہیں بھائی

* جاندار (مخلوق)

■

Zakia Mashhadi
F-1, Grand Pallavi Court
Judges, Court Road
Patna 800004 (Bihar)

■ جمال اختر

موبائل فون

موبائل ہے خطرہ بچو اس کے پاس نہ جانا تم
نا تم اس میں گیم کھیلنا اور نہ سننا گانا تم
اسٹیٹس اپنا نہ بنانا تم لائف میں اس کو کبھی
کچھ دن کی بس بات ہے اس کو رکھنا چھوڑیں گے یہ بھی
وہ تو اس کا کام تھا بس ایجاد کیا تھا یہ جس نے
غور کرو ہم سب کو بداخلاق بنایا ہے اس نے
جب سے ہاتھ میں یہ آیا ہے جھوٹ بولتے رہتے ہیں
دہلی میں ہوتے ہیں لیکن کلکتہ میں کہتے ہیں
لوٹ مار بھی خوب بڑھی ہے اس کے آجانے کے بعد
فون ہے سب کے ہاتھ میں اپنا نمبر نہیں ہے پھر بھی یاد
کام ضرورت پر آجاتا ہے یہ خوبی ہے اس کی
سیلفی لینے میں نہ جانے جان گئی ہے کس کس کی
جب سے خریدا ہم نے تب یہ بات سمجھ میں آئی ہے
اس میں برائی بھی ہے اتنی جتنی کہ اچھائی ہے
اس کی ریز نکلتی ہیں جو صحت کردیں گی برباد
جس کے پاس نہیں موبائل بس وہ رہتے ہیں آزاد

■

Jamal Akhtar
Near Jamia Urdu, Aligarh, (U.P.)

رضاء الرحمن عاکف

حیرت انگیز عجائبات کا مجموعہ: چیونٹی

بچو! تم نے چیونٹی تو ضرور ہی دیکھی ہو گی۔ یہ دیکھنے میں تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اتنے عظیم الشان اور حیرت انگیز کرشمے اکٹھا کر دیے ہیں جنھیں دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے اور وہ چیونٹی کے اندر شامل قدرت کی اس کاری گری کی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

چیونٹی ویسے تو بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ مگر وہ ہوتی بہت عقل مند ہے۔ قدرت نے اس کے اندر سونگھنے کی بے پناہ صلاحیت دی ہے۔ ابھی آپ کوئی چیز رکھیں کچھ ہی دیر میں اُس کو چٹ کرنے کے لیے بے پناہ چیونٹیاں چلی آئیں گی۔ یہ سب اُس کی سونگھنے کی صلاحیت کی وجہ سے ہے۔ جو ان کو تیز رفتاری کے ساتھ باخبر کر دیتی ہے۔ چیونٹیوں کی سینکڑوں قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ عمل کی اعتبار سے یہ چار طبقوں میں بٹی ہوتی ہیں۔ جن کے نام ملک، ملکہ، مزدور اور سپاہی ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے الگ الگ کام مقرر ہیں۔ ملک و ملکہ بہت ہی آرام طلب اور کاہل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی غذا کا انتظام کرنا بھی مزدور چیونٹیوں کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔ سپاہی چیونٹیوں کے فرائض میں حفاظت و نگہبانی ہوتی ہے۔ مزدور چیونٹیاں تعداد میں بہت زیادہ اور سپاہی چیونٹیاں جسامت میں بڑی ہوتی ہیں۔

چیونٹی بناوٹ کے اعتبار سے عجیب و غریب کیڑا ہے۔ اس کی آنکھ دو سو (200) آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس کے چار جبڑے، انتڑیاں ایک دم اور دُم کے اندر ایک چھوٹا سا ڈنک ہوتا ہے جس کے قریب ہی زہر کی ایک چھوٹی سی تھیلی رہتی ہے۔ جب بھی چیونٹی کسی دباؤ میں آتی ہے یا اُس کو کسی طرح کا کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے ڈنک کا استعمال کرتی ہے اور زہر دشمن کے جسم میں انڈیل دیتی ہے۔ سانس لینے کے لیے اس کے دونوں پہلوؤں میں دو دو سوراخ ہوتے ہیں جن کے اندر ہوا پہنچ کر جسم کی بے شمار نالیوں میں پھیل جاتی ہے۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ چیونٹی کا پیٹ نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ کوئی چیز کھاتی نہیں بلکہ جب وہ کسی چیز کے

ٹکڑے کرتی ہے تو اُس کی بو سے توانائی حاصل کرتی ہے جو اُس کی غذا کا کام کرتی ہے اور زندہ رہنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ چیونٹی اپنے سے کئی گنا زیادہ وزنی چیزیں اٹھالینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے چھ پیر ہوتے ہیں۔ انھی کی مدد سے وہ اپنا بل کھودتی ہے۔عموماً چیونٹی کی عمر سات سال ہوتی ہے۔ جب اُس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اُس کے پر نکل آتے ہیں۔ اسی مناسبت سے محاورہ ''چیونٹی کے پر نکل آنا'' وجود میں آیا۔ یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا برا وقت آتا ہے اور وہ اس کو نہ سمجھتے ہوئے ظاہری بناوٹ کا اظہار کرتا ہے۔ چیونٹی میں انسان کی طرح تدفین کا انتظام ہوتا ہے۔ جب کوئی چیونٹی مرجاتی ہے تو پہلے اس کا جنازہ اٹھتا ہے۔ پھر اس کو باقاعدہ دفن کردیا جاتا ہے۔

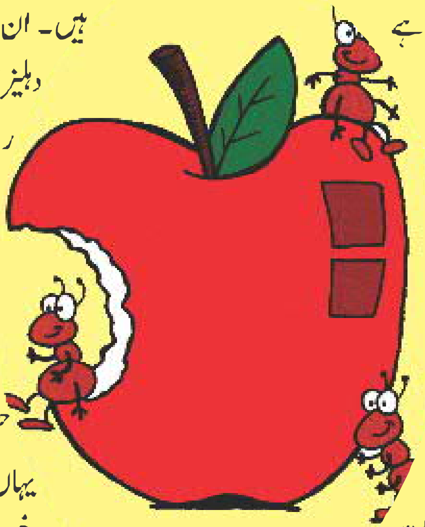

چیونٹی کی پیداوار کا طریقہ یہ ہے کہ چیونٹی باقاعدہ انڈے تو نہیں دیا کرتی بلکہ اس کے جسم سے ایک خاص قسم کا مادّہ خارج ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ انڈوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ملکہ ان انڈوں کو اِدھر اُدھر ڈال دیتی ہے۔ کچھ دن بعد ان انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں۔ ان بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی مزدور چیونٹیوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ ان کی غذا کا اہتمام اور موسم وغیرہ کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا بھی اسی ذمہ داری میں آتا ہے۔ اگر کوئی دشمن بل پر حملہ کردے یا بارش وغیرہ کا پانی بل میں داخل ہوجائے تو یہ انڈوں اور بچوں کو محفوظ مقام پر لے جاتی ہیں۔ جب کوئی چیونٹی زخمی ہوجاتی ہے تو دوسری چیونٹیاں فوراً کسی کیمیائی عمل کے ذریعے اپنے تھوک کو دھاگے میں بدل کر زخم کی سلائی کردیتی ہیں۔

چیونٹیاں زیر زمین اپنے باقاعدہ گھر بنا کر، گلیاں اور شہر بسا کر رہتی ہیں۔ چیونٹی کا گھر پندرہ سے بیس فٹ تک گہرا ہوتا ہے اس کے اندر فنِ تعمیر کے حیرت انگیز کمال دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے گھروں میں باقاعدہ کمرے، دہلیزیں، بالاخانے، سڑکیں، گیلریاں، رہائشی کمرے اور ملاقات و مشورے کے لیے ہال وغیرہ ہوتے ہیں۔ غلہ وغیرہ جمع کرنے کے لیے الگ گودام ہوتے ہیں۔

چیونٹی غذا کے بارے میں بہت حریص ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے یہاں غذا جمع کرنے کا خصوصی اہتمام ہوتا یہ وہ ذخیرہ شدہ غذا کو محفوظ رکھنے کے فن سے بھی بخوبی واقف ہوا کرتی ہے۔ وہ خوراک حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ محنت کرتی ہے۔ کوئی چیونٹی جب کھانے کے لیے کوئی چیز دیکھتی ہے تو فوراً ہی اپنے ساتھیوں کو خبر کردیتی ہے اور پھر وہ غذا پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور کھانے کے ساتھ ہی اس کو اسٹور بھی کرلیتی ہیں۔ جو آگے چل کر ان کے کام آتا ہے۔ اس طرح سے چیونٹی کو دانش مند ہونے کے ساتھ ہی دوراندیش بھی کہا جاتا ہے۔

یقیناً پاک ہے وہ خدا جس نے چیونٹی کو اس قدر صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

■

Dr. Raza-ur-Rahman Akif
Miyan Sarai, Katra Bazar
Sambhal - 244302 (UP)

نسیم سعید

بایومیٹرک نظام
(Biometric System)

بایومیٹرکس طریق کار انسانوں کو خاص انداز میں شناخت کرنے کا ایک جدید ترین طریقہ ہے۔ ہم لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر ذی روح انسان میں ایسی کچھ خصوصیات یا منفرد علامتیں موجود ہوتی ہیں جو اسے دوسرے ذی روح انسان سے علیحدہ یا جدا کر دیتی ہیں۔ یہی وہ خصوصیات، علامتیں یا اشارے ہیں جو اسے بالکل صحیح شناخت کی بنیاد پر دوسروں سے منفرد کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ انسانوں کی ان ہی خصوصیات، علامتوں یا اشاروں کے نمونے بایومیٹرک نمونے کہلاتے ہیں۔ ان بایومیٹرک نمونوں کو کمپیوٹر جیسے جدید کار آلہ میں ایک خاص ڈاٹا بیس (Data Base) تیار کر جمع یا اکٹھا یا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

جب ہم کسی شخص کے بایومیٹرک نمونے جیسے انگلیوں کے نشانات (finger Prints)، آنکھوں کی پتلیاں (Iris) ہتھیلیاں اور عادات و اطوار کے نقوش (Behaviour Pattern) وغیرہ ایک الیکٹرونک آلہ (Electronic Device) جیسے (Finger Print) یا Iris Scanner کی مدد سے کمپیوٹر میں ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ اس عمل کے دوران ایک خاص سافٹ ویئر (Software) ان نمونوں کا ایک خاص کوڈ (Special Code) یا ساخت (Structure) تیار کر لیتا ہے جو کہ ایک ہی یعنی Unique ہوتا ہے۔

لہٰذا انسانوں کی خاص علامتوں، اشاروں یا خصوصیات کو بنیاد بنا کر کسی حالتِ خاص میں صحیح شخص کی شناخت کا ایک

خاص انداز جدید ترین تکنیک سے لبریز طریقہ بایو میٹرکس نظام کہلاتا ہے۔مواصلات و مراسلات و اطلاعات یا جدید ترین پیغام رسانی کے اس دور میں جہاں بایو میٹرک کا وسیع و عریض شکل میں استعمال کرکے ایک طرف حفاظت کے پختہ انتظامات کیے جاسکتے ہیں تو وہیں دوسری طرف حکومت و انتظامیہ میں ایک صاف و شفاف طریقہ کار کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک جیسے امریکہ، جاپان، جرمنی، آسٹریلیا وغیرہ اربوں کھربوں روپیوں کا اس میدان میں صرف کرکے بڑے وسیع پیمانے پر اس تکنیک کے استعمال کو فروغ دے رہے ہیں۔ مزید یہ کہ اس تکنیک کے ذریعے نئے نئے تجربات کر تحقیقاتی کام جاری ہے۔ ایک سروے کے مطابق بھارت کے 93 فیصدی سے زیادہ افراد آدھار کارڈ والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے افراد کا بایو میٹرک شمارہ اب حکومتِ ہند کے پاس محفوظ ہے۔ اگر حکومتِ ہند چاہے تو وہ اب ضرورت کے مطابق اس شمارہ کے تعاون سے ہر آدمی کی شناخت کرسکتی ہے۔ اس کا رجسٹریشن، بینکنگ، حکومت کے ذریعے فراہم کردہ مختلف فلاحی منصوبوں و اسکیموں میں شرکت پر نظر رکھ سکتی ہے۔ غرض اس کے تمام کاموں و حقوق پر کڑی نگاہ رکھ کر ہم معیار بنا سکتے ہیں۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کے پاس اتنی بڑی تعداد میں ہندوستانی عوام کے بایو میٹرک ڈاٹا موجود ہیں۔ یہی ڈاٹا ہمارے لیے مستقبل کے مسائل کے تصفیہ میں ایک بنیادی ٹکنالوجی کے طور پر کام کرے گا۔

اس بایو میٹرک ٹیکنالوجی میں ہر وہ جسمانی ساخت جو کہ منفرد، بے مثل یا Unique ہوتی ہے۔ جس کا کوئی دوسرا جوڑ یا اس کا کوئی حریف یا مدِ مقابل نہ ملے اور اس کا کوئی دوسرا Match نہ ہو، شامل ہے۔ جیسے چہرہ آنکھوں کی پتلیاں، انگلیوں کے نشانات، ہتھیلیاں اور عادات و اطوار کے نقوش وغیرہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگلے چند سالوں میں یہ ڈاٹا ہم سب کے پروفائل (Profile) سے منسلک کردیا جائے گا۔ ایسا ہونے پر پھر کسی بھی کارڈ، چابی، پن نمبر (Pin Number)، کوڈ (Code)، پاس ورڈ (Pass Word)، وغیرہ یاد رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ ہماری یہی بایو میٹرک شناخت ہی ہر ایک کی حرکت اور ہلچل کو ظاہر کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔ ساتھ ہی ہر ایک کے کام کو نمایاں طور پر بیان کرے گی۔

جدید بایو میٹرک تکنیک یہ عیاں کررہی ہے کہ اب ہمیں اپنے موبائل فون کی ضروری ڈاٹا کو محفوظ رکھنے یعنی Save کے لیے فون میں پاس ورڈ لاک (Pass Word Lock) کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ زمانہ اب رخصتی کے قریب ہے۔ ایک عالمی اطلاع کے مطابق ملازمین یا کاروبار سے منسلک افراد کو تنخواہ یا رقم کی ادائیگی کرنے کے لیے 2017 تک ہندوستان میں بایو میٹرک اسمارٹ فون استعمال کرنے والوں کی تعداد 35 کروڑ سے بھی زیادہ ہوگی۔ یعنی حالیہ دنوں میں یہ ٹیکنالوجی نہ صرف ہمارے موبائل فون کا ڈاٹا (Data) محفوظ رکھنے کے لیے کارآمد ثابت ہورہی ہے بلکہ لمبی لمبی قطاروں اور وقت کی بربادی سے بچتے ہوئے آن لائن (On line) تنخواہ کی ادائیگی کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔

بایو میٹرک تکنیک سے ہمیں نہ صرف پاس ورڈ (Pass word) بھولنے کی تکلیف سے آزادی مل رہی ہے بلکہ بایو میٹرک شناخت کے بعد ہم سب کو کئی طرح کی کاغذی کارروائی سے بھی نجات مل جائے گی۔ ہمیں صرف اپنا آدھار نمبر ہی یاد رکھنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ہمیں اپنے پری پیڈ (Pre-Paid) یا پوسٹ پیڈ (Post Paid) موبائل

(Connection) کے لیے طرح طرح کے دستاویزوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔صرف ہماری انگلیوں کے نشانات اور آدھار کارڈ ہی دینا کافی ہوگا۔

ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ہمیں اپنے زیادہ تر کاموں کو انجام دینے کے لیے پاس ورڈ اور پن نمبر یاد رکھنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات یہ گم شدگی کی صورت میں یا بھول جانے کے سبب پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگلے چند سالوں میں ایسے ATM اور Device ہمارے سامنے موجود رہیں گے جو بایومیٹرک تکنیک پر کام کریں گے۔جس میں ہمارا انگوٹھا ہی ہمارے لیے پاس ورڈ یا پن نمبر ہوگا۔

اکثر اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض جگہوں جیسے ایئرپورٹ، عوامی تفریحی مقامات یا کسی خاص پروگرام وغیرہ میں ہمیں ایک طویل حفاظتی جانچ والے اقدامات سے گزرنا ہے۔ ایسے وقت میں داخلہ (Entery) اور سواری Boarding) کے لیے بھی اب صرف ہمارے انگوٹھے کے نقوش (Thumb Impression) ٹکٹ کی طرح کام کریں گے۔طویل حفاظتی جانچ سے بچنے کے لیے اب صرف Full body scan ہی کافی ہوگی جس میں صرف چار سیکنڈ ہی لگیں گے۔ان سے نہ صرف علاقائی، ملکی بلکہ عالمی سطح پر بھی کسی شخص کی شناخت یقینی کی جاسکتی ہے۔

مقامی سطح سے لے کر قومی اور عالمی سطحوں تک اس ڈاٹا بیس (Data base) کی مدد سے کئی طرح کے خطروں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔کسی بھی شعبہ کے ملازمین کی روزانہ حاضری سے لے کر کئی طرح کے کام وتحقیقات اس تکنیک سے ممکن نظر آتی ہے۔اسی طرح سے ڈاٹا بیس کے ذریعے سے مردم شماری اور حق رائے دہندگی، جیسے اہم حکومتی افعال کو بغیر کسی زینی مشقت کے کامیاب طریقے سے انجام دیے جاسکتے ہیں۔اب ذرا ان اہم نکات پر غور کریں جو ہماری شناخت بنے گی۔

1۔ **انگلیوں کے نقوش (Finger Print)**: صرف انگوٹھے کے نقوش یا نشانات سے ہی ہماری حاضری، رجسٹریشن، تنخواہ کی ادائیگی اور تحفظ جیسے اہم افعال انجام دیے جاسکیں گے۔

2۔ **آواز:Voice**: اس میں مطلوبہ شخص کی آواز کی قسم (Type of Voice)، ہارمونکس (Harmonics)، پچ (Pitch) اور رینج (Range) پر منحصر Base Lock تیار ہوتا ہے۔یعنی بینکوں میں (Customers voice print) سے اکاؤنٹ لاگ ان (Account Login) کرسکتے ہیں، جلد ہی بینک ان خدمات کا آغاز کرسکتے ہیں۔

3۔ **قرنیہRatina**: یہ طریقہ آنکھ کے پیچھے کی خون کی نالیوں کے نقوش پر مشتمل ہے۔یہ نقوش (Pattern) ہر انسان کا الگ الگ ہوتا ہے۔اس لیے یہ ایک محفوظ ترین کنجی ثابت ہوسکتا ہے۔یہ ایک منفرد اور بے مثل طریقہ بھی ہے۔

4۔ **دل کی دھڑکن**: یہ طریقہ بھی کسی حد تک ممکن ہے لیکن فی الوقت یہ طریقہ کار زیادہ شہرت یافتہ نہیں ہے۔

5۔ **چہرہ**: فیشیل بایومیٹرک ٹیکنالوجی کے ذریعے چہرہ کی منفرد خصوصیات (Unique characters) کو ملا کر یعنی Match کرکے دیکھا جاتا ہے۔یہ طریقہ بھی مستقبل قریب میں لائق عمل ہوسکتا ہے۔

■

Naseem Sayeed
M.M. Rabbani High School
Kamptee (Maharashtra)

صبیحہ انور

سب سے بڑی طاقت

بچو! آج ہم تم کو ایک جنگ کی کہانی سنائیں گے مگر بچو! لڑائی صرف جنگ کے میدان میں نہیں ہوتی، زندگی میں ہر وقت نئے نئے حالات اور مشکلوں کا مقابلہ کرنا بھی کسی جنگ سے کم نہیں ہوتا۔ ایک بات اور بتاؤں کہ پچھلے زمانے کے بادشاہ راج پاٹ، دھن دولت کے لیے لڑائیاں لڑتے تھے۔ مگر بچو! ایک چیز اور ہے جو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے، روپے اور ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی.... وہ ہے انسان کا علم اور عقل۔ کیونکہ اگر عقل نہیں ہے تو یہ سب بیکار ہے اور اگر ہمارے پاس علم اور عقل ہے تو یہ سب تو ہم حاصل کر ہی لیں گے، آج کی دنیا عقل کی دنیا ہے... آج ہم تمھیں عقل کی طاقت کے مقابلے کی ایک کہانی سنائیں گے۔

ایک تھا کسان ... سیدھا سادا، بھولا بھالا۔ محنتی اور ایماندار۔ صبح صبح اپنے کھیتوں میں پہنچ کر کام پر جٹ جاتا اور دن بھر کھیت پر کام کرتا، ایک روز صبح صبح جب سورج کی کرنیں آنکھیں ملتی ہوئی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور چڑیوں کی چہکار سے جاگنا شروع ہی ہوئی تھیں کہ وہ محنتی کسان اپنے کھیت پر پہنچ گیا۔ صبح کی تازہ ہوا نے اس کے جسم میں پھرتی بھر دی تھی۔ وہ کھیت کے کنارے کنارے پانی کے لیے نالی بنا رہا تھا کہ اچانک کام کرتے کرتے چونک پڑا۔ اس کے سامنے کھیت کی مینڈھ پر اگلے دونوں پنجوں پر زور دیتے ہوئے، ایک شیر کھڑا تھا۔ شیر کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔ ڈر کے مارے کسان کی گھگھی بندھ گئی۔ اس کے ہاتھ تھرتھرانے لگے، ڈرتے ڈرتے بولا۔ ”سلام شیر صاحب۔ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ خیریت؟ صبح صبح کیسے اِدھر آ نکلے۔“

شیر نے اپنے دیدے اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے کہا، ”بھئی میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ خدا مجھے حکم دے رہا ہے کہ فوراً جا کر تمھارے دونوں بیلوں کو کھا لوں۔ میں تمھاری طرف آ رہا تھا، اچھا ہوا تم مجھے کھیت پر مل گئے“ کسان نے ہوش و حواس جمع کرتے ہوئے کہا۔ مگر سرکار کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی۔ کیونکہ خدا نے ہی مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان

بیلوں سے کھیت میں ہل چلاؤں اور اناج پیدا کروں۔آپ اتنی تکلیف کریں کہ..... ذرا ایک بار اللہ میاں سے پھر اس بات کی تصدیق کرلیں.....''

شیر بولا۔''نہیں میں خدا کے حکم میں دیر کرنا مناسب نہیں سمجھتا،تم نیک آدمی ہو بحث مت کرو۔جھٹ پٹ بیلوں کو ہل سے نکال کر الگ کرلو۔تاکہ میں جلدی سے خدا کا حکم پورا کرسکوں۔'' اپنی بات ختم کرکے شیر غرایا اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

کسان تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا'' آپ تو جنگل کے راجہ ہیں میرے بیلوں کو زندہ رہنے دیجیے۔ ورنہ میں کھیتی کیسے کروں گا اور میرے بچے کیا کھائیں گے..... راجہ صاحب میرے اوپر رحم کیجیے۔ اچھا۔ ان بیلوں کے بدلے میں مَیں آپ کو اپنی بیوی کی موٹی تازی دودھ دینے والی گائے دے دوں گا۔میں ابھی گائے لےکر آتا ہوں۔''

شیر بولا۔''اچھا جاؤ۔جلدی سے گائے لےکر آؤ میں جب تک پیڑ کے نیچے آرام کرتا ہوں۔''

کسان بیلوں کو ساتھ لےکر تیز تیز قدموں سے یہ سوچتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بیوی کو گائے دینے کے لیے کس طرح راضی کرے گا۔کیونکہ اس کی بیوی صرف محنتی اور باہمت ہی نہیں بلکہ زبان اور عقل دونوں کی بہت تیز تھی۔کسان اس کی زبان کی تیزی سے یونہی بہت گھبراتا تھا..... ایک طرف شیر تو دوسری طرف بیوی تھی..... اس سے پہلے کہ وہ اپنی بیوی سے کچھ کہتا بیوی نے صبح صبح اسے کھیت سے واپس آتے دیکھ کر ہی ناراض ہونا شروع کردیا.....

''ابھی ابھی تو کھیت پر گئے تھے اتنی جلدی کیوں واپس آگئے۔میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔تمھارا کام اتنی جلدی کیسے ختم ہوگیا۔'' بیوی غصّے کے مارے گھر سے باہر نکل آئی۔

کسان نے کہا،''ارے میری بات تو سنو، میں صبح صبح ایک بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بڑی مشکل سے بہانہ بنا کر موت کے منھ سے بھاگ کر آرہا ہوں۔جنگل کا خونخوار شیر کھیت کی منڈیر پر ہی میرا انتظار کررہا ہے، وہ تو اب تک میرے بیلوں کو کھا ہی جاتا۔مگر میں نے بڑی ہوشیاری سے اس کو دو بیلوں کے بجائے ایک گائے پر راضی کیا ہے..... اب تم جلدی سے گائے میرے حوالے کردو۔ مارے ڈر کے میرا برا حال ہو رہا ہے..... دیر ہونے پر کہیں وہ یہاں نہ آجائے۔''

کسان نے ڈر کر دروازے کی طرف دیکھا۔

کسان کی عقل مند بیوی اتنی جلدی حالات سے ہار ماننے والی نہ تھی، کچھ سوچتے ہوئے بولی" میں تو اپنی پیاری گائے کسی قیمت پر ظالم شیر کے حوالے نہ کروں گی..... میرے بچوں کو دودھ کیسے ملے گا اور مکھن کے بغیر وہ روٹی کیسے کھائیں گے۔ میری بھولی بھالی گائے۔ میں تو اپنی گائے نہ دوں گی۔"

کسان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے..... گائے اور بیلوں کے ساتھ اب اس کے بیوی بچوں کی جان بھی خطرے میں تھی۔

ادھر کسان کی بیوی ایک منٹ تک کچھ سوچتی رہی پھر الگنی پر پھیلی گہرے سرخ رنگ کی چادر اتار کر جلدی سے سر پر پگڑی کی طرح لپیٹنے لگی۔ بڑی سی چادر کی گٹھری میں اس کا منھ کہیں غائب ہوگیا۔ چادر کا سرا اس نے اپنے چہرے کو ڈھانکتے ہوئے کان کے پیچھے اوڑھ لیا۔ اب ایک سرخ گٹھری کے اندر، اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور گٹھری کے پیچھے لمبی کالی چوٹی لٹک رہی تھی۔ کسان منھ کھولے حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا..... کونے میں کھڑے بانس کے سرے پر کمبل ڈال کر اس نے جھنڈے کی طرح کاندھے پر رکھا..... چولھے کے پاس سے پھکنی اٹھا کر گھر کے باہر آ گئی.....

گھر کے باہر ہی پڑوسی کا خچر کھڑا تھا، پڑوسی اس وقت صبح صبح خچر پر لکڑیاں لاد کر بازار جانے کی تیاری کر رہا تھا.....

کسان کی بیوی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ..... کسان کی مدد سے اچک کر خچر پر بیٹھ گئی..... اس کے ایک ہاتھ میں کالے کمبل کا اونچا جھنڈا اور دوسرے ہاتھ سے وہ پھکنی منھ میں لگائے۔ زور زور سے پھونکیں مارتی ہوئی کھیتوں کی طرف چل دیا۔ کسان اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

چاروں طرف گنے کے کھیت تھے..... اونچے اونچے گنے کے کھیتوں کے بیچ کسان کی بیوی کا لال پگڑ اور پیچھے سے دُم کی طرح اٹھی ہوئی کالی چوٹی..... اور کمبل کا جھنڈا دور سے دکھائی دے رہا تھا..... گدھا اور کسان گنے کے اونچے اونچے پودوں میں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اس نے دیکھا کھیت کے پاس پیڑ کے نیچے شیر بے چینی سے ٹہل رہا ہے..... پہلے تو اس نے پھکنی سے منھ لگا کر ڈراونی آواز میں زور زور سے پھونکیں ماریں..... پھر اِدھر اُدھر گردن گھماتے ہوئے بولی۔ آج کا دن بہت خراب ہے۔ آج کا دن بہت خراب ہے۔ آج تو میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا..... اتنا دن نکل آیا اتنا تلاش کرنے پر بھی ابھی تک ایک شیر نہیں ملا..... کل اس وقت تک تو میں تین شیروں کا ناشتہ کر چکا تھا..... آج کا دن بہت خراب ہے..... آج میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا.....

شیر نے سر اٹھا کر دیکھا کوئی سرخ رنگ کا اونچا سا جانور جس کے ہاتھی جیسے کان ہل رہے ہیں تیز رفتاری اور بہادری کے ساتھ بڑھتا ہی چلا آرہا ہے تو وہ ذرا گھبرایا..... اور اس سے پہلے کہ وہ جانور زیادہ قریب آتا۔ شیر پھرتی سے جنگل کی طرف بھاگا۔

بھاگتے بھاگتے راستے میں گیدڑ نظر آیا..... وہ ہمیشہ شیر کے پیچھے اس کا بچا کھچا شکار کھانے کے لیے لگا رہتا تھا۔ شیر کو گھبرایا اور پریشان دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا..... شیر بہت بوکھلایا ہوا تھا اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔

گیدڑ نے کہا،" کیا بات ہے سرکار..... آپ کہاں بھاگ رہے ہیں۔"

شیر نے کہا،" بھاگو"..... کھیتوں کے پاس ایک عجیب

سا جانور آ گیا ہے، سرخ رنگ کا بہت اونچا.... وہ صبح صبح تین شیروں کا ناشتہ کرتا ہے۔ اتنا عجیب جانور میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا....''

گیدڑ کسان کی عقل مند اور تیز وطرار بیوی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ کسان کی بیوی کو سرخ پگڑ باندھے کھیت کی طرف جاتا ہوا دیکھ بھی چکا تھا۔ وہ ہنسنے لگا.... ارے نہیں وہ کوئی جانور نہیں کسان کی بیوی ہے۔ سر پر سرخ چادر کی پگڑی باندھ کر وہ خچر پر بیٹھی ہے۔ آپ کو یقین نہ آئے تو چل کر دیکھ لیں۔ شیر نے بھاگتے بھاگتے ٹھہر کر پوچھا۔ ''کیا تم نے خود دیکھا ہے۔''

گیدڑ بولا، ''جی ہاں وہ خچر پر بیٹھی ہے۔ آپ اس کی اونچائی سے ڈر گئے۔ کیا آپ نے اس کے پیچھے لٹکی ہوئی چوٹی نہیں دیکھی ہے بہت تیز اور نڈر عورت ہے۔ مگر آپ گھبرائیے مت، کیا ایک عورت کی وجہ سے آپ ہاتھ آیا شکار چھوڑ دیں گے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

نہیں مجھے کسی پر بھروسہ نہیں ہے..... اگر تم مجھے چھوڑ کر بھاگ نکلے تو میں کیا کروں گا..... سچ میں آج کا دن بہت خراب ہے۔ بہت خراب ہے، میں واپس نہیں جاؤں گا..... شیر نے رک کر کہا۔

گیدڑ بولا..... سرکار آپ میری دم میں اپنی دم باندھ لیجیے تاکہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ ہی نہ سکوں..... تب تو آپ کو یقین آئے گا۔

اور پھر بچو! ہوا یوں کہ شیر نے جو بہت طاقتور اور جنگل کا راجہ تھا اپنی دم گیدڑ کی دم میں باندھ لی کہ گیدڑ اسے دھوکہ دے کر بھاگ نہ سکے۔

ادھر کسان اور اس کی بیوی کھیت میں کھڑے ہنس رہے تھے کہ اچانک شیر اور گیدڑ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

کسان گھبرا کر بولا ''بھاگو..... وہ پھر آ گیا۔ اب وہ نہیں چھوڑے گا۔'' بیوی بولی۔ ''چپ رہو..... چیختے کیوں ہو .... ابھی تیرا وقت نہیں آیا ہے..... مجھے تیرے مریل بیل کھانا نہیں پسند ہیں..... اُدھر دیکھ میرا دوست گیدڑ ایک موٹا تازہ شیر میرے لیے لا رہا ہے..... چپ رہو..... مجھے ذرا شیر کو دیکھنے دو..... ذرا جلدی آؤ گیدڑ بھائی، اچھا کیا آج تم میرا شکار باندھ کر لے آئے۔ بچا ہوا گوشت اور ہڈیاں تم کو بھی ملیں گی..... آج بھوک بہت زور کی لگی ہے۔''

شیر نے یہ بات سنی تو وہ سمجھا کہ دم باندھ کر اس کو لانے میں ضرور گیدڑ کی چال ہے۔ وہ گیدڑ کو گالیاں دیتا جنگل کی طرف سرپٹ چھلانگیں مارتا..... نوکیلے پتھروں، کانٹے دار جھاڑیوں سے ہوتا ہوا بھاگ نکلا..... چالاک گیدڑ چیختا، چلاتا رہا، آخر میں پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو گیا..... اور شیر نے مارے ڈر کے پھر کبھی آبادی کی طرف آنے کی ہمت نہیں کی.....

کسان اور اس کی بیوی نڈر ہو کر آرام سے رہنے لگے۔

تو بچو! یہ کہانی بھی ایک مقابلے کی تھی، جس میں کمزور، بے بس کسان اور اس کی بیوی نے بہت بہادر اور طاقتور دشمن سے عقل اور سمجھ داری کے ہتھیار سے مقابلہ کیا..... اور تم نے دیکھا کہ کس آسانی سے اس نے مخالف حالات پر فتح حاصل کی۔

یہ ہتھیار تو تمھارے پاس بھی ہے اور تمھیں بھی اپنی زندگی کی جنگ اسی ہتھیار سے فتح کرنا ہے۔

■

Sabeeha Anwar
Nami Press Building, Nakhkhas
Lucknow - 3 (UP)

عطیہ بی

پیار بھرا تحفہ

آج صبح سے ہی دکان پر لوگوں کا ایک ہجوم اُمڑا ہوا تھا۔ یہ حال نہ صرف ایک دکان کا تھا بلکہ گرد و پیش میں واقع ہر دکان پر عید جیسا ماحول دکھائی دیتا تھا۔ نہ جانے آج ایسا کیا ہے جو لوگوں کا سیلاب برپا نظر آتا ہے اور دکان میں چاروں جانب گلوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھول اپنے حسن و جمال پر اتراتے نظر آتے تھے اور اپنی علاحدہ شناخت رکھتے تھے۔ مگر یہ کیا آج اس خوبصورت محفل کا سردار نہایت حسین گل گلاب کو منتخب کیا گیا۔ آج چاروں سمت گلاب کی ہی بہار ہے۔ جدھر نظر پڑے گلاب ہی گلاب اور ان گلابوں کے بیچ ایک نہایت معصوم گل جسے ابھی ابھی اس دکان کے مالک نے دانش کہہ کر پکارا، وہاں موجود تھا۔ دانش جو بہت ہی معصوم بچہ جو ابھی عمر و تجربہ کے اعتبار سے بہت نازک اور زندگی کی تلخیوں سے بہت دور ان حسین گلوں کی چھاؤں تلے اپنے آنے والی خوشیوں کو ڈھونڈھ رہا تھا بول اٹھا۔ جی آیا صاحب...... ابھی آیا...... فرمایئے؟ کہاں تھے؟ صاحب میں تو گلابوں کی ڈنڈیا صاف کر رہا تھا۔ اچھا اچھا! بہت اچھا کیا۔ صاحب آج ایسا کیا ہے جو لوگوں کا ہجوم لگا ہے...... دکان کے مالک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا...... دانش آج محبت کرنے والوں کا دن ہے اسی لیے ہر دکان آج اتنی آباد ہے۔ اچھا محبت کرنے والوں کا کوئی دن بھی ہوتا ہے؟ ایسا کیوں؟ محبت دنوں کی محتاج ہے کیا؟ اس بچے کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر کے دکان دار حیران رہ گیا۔ مگر ان کی باتوں کا کوئی جواب اس کے پاس نہ تھا۔

اچھا چلو چلو سبھی گلابوں کو اٹھا کر یہاں لے آؤ میں انھیں تراش دیتا ہوں یہ کہتے ہوئے اس نے بات کاٹنے کی ایک ناکام کوشش کی۔ مگر دانش کی عمر جوان باتوں کو سمجھنے کی اجازت نہ دیتی تھی ان ہی سوالات کے گرد و پیش رواں دواں رہی۔ صاحب بتایئے نہ میری بات کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ تبھی دکان کے قریب ایک بڑی سی گاڑی آ کر کھڑی ہوئی اور اس کے اندر سے ایک نوجوان لڑکا باہر آیا۔ ارے بھیا یہ دکان آپ کی ہے؟ جی ہاں جی ہاں کہتے ہوئے مالک لمبے قدموں سے اس کی جانب لپکے۔ فرمایئے جناب۔ ذرا 500 روپیہ کا ایک گلدستہ بنا دیجیے۔ اور دیکھیے تازے گلابوں کا استعمال کیجیے گا پیسہ کی فکر نہ کیجیے، مگر گلدستہ خوبصورت ہونا چاہیے۔ جی جناب ابھی بناتا ہوں کہتے ہوئے دکان دار گلدستہ کی تیاری میں لگ گیا۔ آپ تشریف رکھیئے گلدستہ ابھی تیار ہوا جاتا ہے۔ بڑے احترام سے ان صاحب کو بٹھایا گیا۔ مگر دانش کی نگاہیں اس خریدار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بھی دانش کو بڑے حقیرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مانوں اس کے تن پر پڑے پھٹے کپڑے اس کے سب سے بڑے دشمن بن بیٹھے ہوں۔

لاؤ دانش ذرا قینچی اٹھا دو اور وہ گلاب بھی...... جی صاحب دیتا ہوں نہیں نہیں ان گلابوں کو اس لڑکے سے مت اٹھواؤ۔ جی آپ نے کچھ فرمایا دکان دار نے تعجب سے پوچھا؟ ان خوبصورت گلابوں کو اس لڑکے سے مت اٹھواؤ دیکھو نہ کتنا گندا لگ رہا ہے اور اس کے کپڑے بھی تو دیکھو توبہ توبہ میں ان گلابوں کو دنیا کے سب سے حسین شخص کو دینا چاہتا ہوں...... دانش کی آنکھیں ڈبڈبا اٹھیں مانوں اس کی غریبی اس کے لیے عذاب بن بیٹھی ہو اور دکان دار بھی خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھتا رہ گیا۔ جی ٹھیک ہے کہتے ہوئے اس نے گلاب اٹھائے

اور گلدستہ پورا کر کے ان کو دیا۔ دانش کے معصوم دل کو اس بات سے بہت ٹھیس لگی اور وہ دوسرا کام کرنے لگا جس سے اس کی آنکھوں میں جو سیلاب امڈ رہا ہے وہ عیاں نہ ہو پائے۔ لیجیے بابو جی آپ کا گلدستہ تیار ہے اچھا اچھا اور خریدار نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہزار کا نوٹ نکالا ارے بھیا میرے پاس تو کھلے نوٹ بڑے ہیں تم ایسا کرو 1000 کے پھول کر دو اس وقت اس کے چہرے پر غرور صاف نظر آتا تھا۔ ٹھیک ہے جناب کر دیتا ہوں اور دکان دار نے ہزار روپے کا گلدستہ بنا کر اس کے ہمراہ کر دیا۔ دانش جو ابھی تک دنیا کے تلخ تجربوں سے دور تھا۔ یہ سب حرکتیں بڑی غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ گاڑی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو دانش نے دکان دار سے پوچھا...... یہ کون تھے صاحب؟ ہوں گے کوئی بگڑے ہوئے نواب خود کو عالم کا بادشاہ سمجھتے ہیں غریبوں کی توہین کرنے میں ان کو مزا آتا ہے۔ تم پریشان نہ ہو بیٹا ان کی بات کو دل سے مت لگانا۔ سب پیسوں کا کھیل ہے اور آج کا دن بھی انہیں کا غلام بن کے رہ گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے دکان دار دوسرا کام کرنے لگا اور دانش اندر چلا گیا مگر وہ یہ سوچتا رہا کہ اس شخص نے اتنے گلاب کیوں لیے کیا وہ ہماری طرح دکان کھولے گا یا پھر کچھ اور آج ایسا کون سا دن ہے جو لوگ اپنا اتنا پیسہ پھول خریدنے پر لگا رہے ہیں۔ پورا دن ہی دکانوں پر ایسی ہی دھوم رہی۔ مگر پورے دن کی گہما گہمی کے بیچ دانش اتنا تو سمجھ گیا کہ آپ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اس کو پھول پیش کرتے ہیں اور آج تو دکان دار کے گلوں کی خوب فروخت بھی ہوئی...... شام ہوتے ہی دانش نے کہا صاحب اب کیا میں گھر جا سکتا ہوں امی انتظار کر رہی ہوں گی۔ ہاں ہاں کیوں نہیں میں بھی تم سے یہی کہنے والا تھا جاؤ گھر جاؤ مگر یہ کیا دانش واپس دکان کے اندر چلا گیا۔ ارے دانش کیا بات ہے؟ تم اندر کیوں گئے؟

صاحب ابھی آتا ہوں کہہ کر اس نے دکان دار کو روکا اور خود دن بھر کی کمائی میں جو گلاب کی پتیاں زمین پر گری تھیں کو یکجا کر کے لے آیا...... دکان دار نے تعجب سے پوچھا یہ کیا ہے دانش کچھ نہیں صاحب اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں یہ لے سکتا ہوں۔ دکان دار کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہاں بالکل تم اسے لے جا سکتے ہو مگر تم اس کا کرو گے کیا؟ کس کے لیے لے جا رہا ہوں صاحب کیا میں لے جاؤں...... ٹھیک ہے دکان دار یہ سمجھ گیا کہ پورا دن گلوں کی فروخت کرنے کے بعد دانش کو آج کے دن کا اندازہ ہو گیا ہے۔ دانش کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور وہ گھر کی جانب جانے لگا، رکو دانش آج دن بھر تم نے بہت محنت کی ہے یہ لو 50 روپے رکھو اپنے لیے لے لینا اور دکان دار نے نوٹ دانش کے ہمراہ کیا۔ دانش کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ گھر کی جانب گامزن ہوا۔ راستے میں ایک دکان سے اس نے مالک کے دیے ہوئے پیسوں سے ایک چاکلیٹ لی اور دوڑتا ہوا گھر پہنچا۔ امی آپ کہاں ہیں؟ کیوں کیا ہوا دانش ارے بتائیے نہ کہاں ہے؟ اندر ہے دانش دوڑتا ہوا اندر چلا گیا اور اندر کھلونوں سے کھیلتی ہوئی صبا کو گلے سے لگا لیا۔ میری پیاری بہن دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں اور وہ پھولوں کی پنکھڑیاں اور چاکلیٹ اس کی گود میں ڈال دی۔ والدہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں یہ کیا ہے بیٹا؟ امی آج محبت والا دن ہے میں نے دیکھا جو جسے محبت کرتا ہے اسے گل دیتا ہے میں تو اپنی بہن سے بہت محبت کرتا ہوں اس لیے میں بھی لے آیا یہ پیارا تحفہ۔

■

Atiya Bee
194/32, LP Road
Wazeer Ganj, Lucknow (UP)

سفینہ بیگم

دلّی کا سفر

کوووو..... چھک چھک چھک چھک

ٹرین زوروشور کے ساتھ اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ باہر کا منظر دیکھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے درخت اور کھیت بھی ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں اور اس سے آگے نکلنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ راستے میں موجود جھگی جھونپڑیاں، کھیت کھلیان، ٹوٹے پھوٹے مکانات، اونچے نیچے ٹیلے سب پیچھے چھوٹتے چلے جا رہے تھے۔ٹرین بنا رکے اس تیزی کے ساتھ دوڑ رہی تھی گویا اس کو نوکری کے انٹرویو کے لیے تاخیر ہو رہی ہو..... بے لگام۔

ریل گاڑی میں موجود تمام مسافر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے مختلف انداز سے ہل رہے تھے۔کوئی کسی کے کندھے پر سر رکھے مکمل نیند کی آغوش میں تھا۔کسی کا ہاتھ اوپر والی برتھ سے اس طرح لٹک رہا تھا جیسے ہاتھ کاٹ کر برتھ سے چپکا دیا گیا ہو۔سوتے ہوئے کسی کا منھ میونسپلٹی کے کوڑے دان کی طرح کھلا ہوا تھا جس کے سامنے مکھیاں کشتی میں مصروف تھیں اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں لگی ہوئی تھیں کہ پہلے کون اندر داخل ہو..... کھڑکی کے قریب بیٹھی ایک عورت اپنے بچے کو چٹاچٹ چانٹے مارے جا رہی تھی جو دودھ کی ضد کر رہا تھا۔

وہیں پر ایک کونے سے لگے بنسی رام اور اس کی بیوی شوبھا بھی تھی جو نیند کے جھونکوں سے ایک دوسرے پر گرتے پڑ رہے تھے۔بنسی رام ٹرین کے رکنے کا منتظر تھا۔شوبھا کبھی اپنی ساڑی کے پلو کو سنبھالتی تو کبھی گھونگھٹ کو، جو بار بار سرک کر نیچے آجاتا۔ ان کا 8 سالہ بیٹا منّا بالوشائی کھانے میں اتنا مصروف تھا جیسے آج سے پہلے اسے نصیب ہی نہ ہوئی ہو۔دونوں ہاتھوں سے بالوشائی کو پکڑے ہوئے، جلدی جلدی منھ چلا رہا تھا کہ اگر ذرا دیر کے لیے بھی رکا تو کہیں کوئی اس سے چھین نہ لے اور اسی بے صبری کی وجہ سے رال کی ایک لکیر منھ سے بہتی ہوئی اس کی چتکبری سی قمیص میں جذب ہوتی جا رہی تھی اور جب وہ درمیان میں رک کر اپنا ہاتھ آستین سے

صاف کرتا تو دانت ہونٹوں کے دریچے سے جھانکنے لگتے جن کو دیکھ کر صاف محسوس ہوتا کہ پیدا ہونے کے بعد سے دانت مانجھے ہی نہ گئے ہوں۔ دانتوں کے کناروں میں کائی جیسی کوئی چیز چپکی ہوئی تھی۔

بنسی رام، شوبھا اور ان کا بیٹا منّا گاؤں سے دلی شہر دیکھنے جا رہے تھے جس کے بارے میں انھوں نے ریڈیو پر بہت سنا تھا اور اسی وجہ سے ان کے اندر یہ خواہش جاگی کہ دلّی شہر دیکھا جائے، جب گاؤں کے قریب اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دلّی جانے والی ٹرین چند سکنڈ میں روانہ ہونے والی ہے۔ یہ سنتے ہی تینوں نے سرپٹ دوڑ لگائی۔ منّا نے گھبراہٹ میں کہ کہیں وہ پیچھے نہ رہ جائے شوبھا کی ساڑی کا پلّو پکڑ لیا جس سے پلّو نیچے گر گیا۔ شوبھا نے رک کر غصے میں منّا کو اس زور سے تھپّڑ رسید کیا کہ اس کو دن میں تارے نظر آ گئے اور جب اس نے رونا شروع کیا تو.... تو پھر کیا تھا۔ ناک تھوک اور آنسو آپس میں گلے ملنے کے لیے بے چین ہونے لگے اور شوبھا نے گھسیٹ کر اسے ٹرین میں دھکیل دیا اور کچھ دیر میں اس کو چپ کرانے کی غرض سے بالوشائی دلوادی۔

تقریباً 6 گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد ٹرین دلّی اسٹیشن پر رکی اور سارے مسافر اپنا اپنا سامان لے کر اترنے لگے۔

''اوی ری ری.... مارڈالا''۔ شوبھا کی زوردار چیخ نکلی۔

''اے دکھتا ناہی ہے تم کو، چھوٹے ہوئے بیل کی طرح چلے جارہے ہو، موا پیر بھی کچل کر رکھ دیا۔''

اور وہ آدمی بغیر کچھ کہے نیچے اتر گیا۔

''اے منّا کے باپو.... اب اٹھ بھی جاؤ، کا یہیں گھر بسانے کا ارادہ ہے.... او منّا ادھر آ.... جرا اپنا منھ صفا کروالے... یاں بہوت بڑے بڑے لوگ ہووے ہیں۔'' اور منّا نے اپنے کائی بھرے دانت باہر نکالے۔

''سوبھا! وہ جرا ہمار بٹوا تو دیو۔''

''اے بھائی! جرا سنو... او ہم کو لال قلعہ جانا ہے تو یاں سے کیسے جاتے ہیں۔''

''یہاں سے ایک بس جاتی ہے وہی آپ کو لال قلعہ اتار دے گی۔''

''اور یہ راستہ کدھر کا ہے؟'' بنسی رام نے بائیں جانب بنے میٹرو اسٹیشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ راستہ میٹرو ٹرین کا ہے... لیکن آپ کو یہاں سے جانے میں پریشانی ہوگی... آپ بس سے آرام سے جا سکتے ہیں۔'' اور یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا۔ بنسی رام کھڑا سوچتا رہا کہ بس کا سفر تو کئی دفعہ کیا ہے۔ یہ میٹرو کیا بلا ہے اس کا سفر بھی کر کے دیکھا جائے اور وہ شوبھا اور منّا کو لیے اسٹیشن کی طرف بڑھ گیا۔

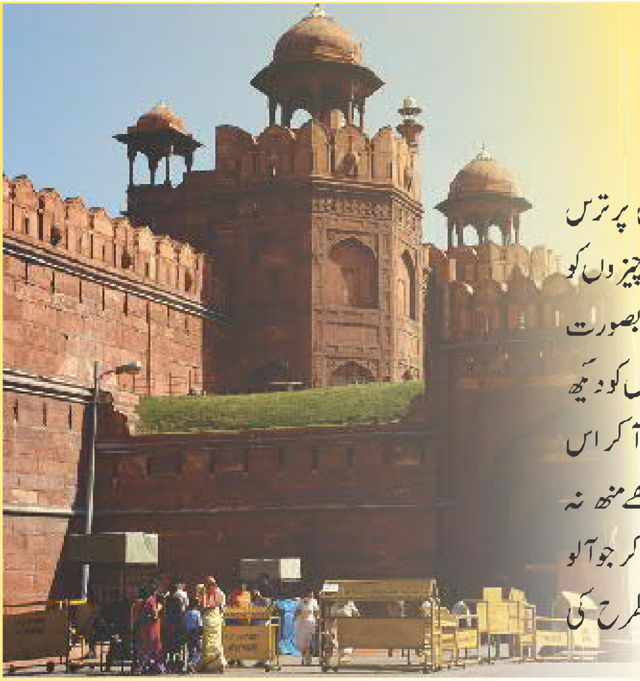

''بھّا ای ٹکٹ کہاں سے لیتے ہیں؟''

''آپ کو کہاں جانا ہے؟''

''لال کلہ''۔

''لائیے میں لے لوں''۔ اس آدمی نے ان پر ترس کھاتے ہوئے ٹکٹ لے لیا۔ اس دوران منّا ساری چیزوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہا تھا اور بلا وجہ اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش میں لگا ہوا تھا۔ شوبھا دوسرے لوگوں کو دیکھ کر کبھی ساڑی ٹھیک کرتی تو کبھی بالوں کو۔ یہاں آکر اس نے گھونگھٹ اتار دیا تھا کہ اتنی بھیڑ میں کہیں اوندھے منھ نہ گر جائے۔ بالوں کا تو کیا کہنا...... ذرا سا جوڑا بنا کر جو آلو کی شکل کا ہو گیا تھا اس میں پانچ، چھ الگ الگ طرح کی ربڑیں لگا لیں۔

''چلو...'' بنسی رام نے کہا

''ای منا کہاں چلا گیا''۔

''ماں ں ں..... مجھے یہ سکرکندی چاہیے''۔ وہ دور سے چلّایا اور ہاتھ کے اشارے سے بتانے لگا۔

''ای کا بوال ہے''۔ اس نے منّا کے قریب آکر پوچھا۔

''یہ برگر ہے'' دکاندار نے جواب دیا۔ بنسی رام اور شوبھا ناسمجھی کا تأثر دیتے ہوئے منّا کو گھسیٹ لے گئے۔

''رکیے! آپ کی چیکنگ ہوگی'' Lady police نے شوبھا کو روکا۔

''ہاتھ اوپر... ہاں اب جائیے۔''

''اے منّا کے باپو... ای ہمار بدن کی تلاسی کاہے لے رہی تھی؟''

''تو کبھی کھاموس بھی رہ لیا کر... ای لے پکڑ سنّہ''۔

''اس کا کا کروں؟''

''اس کو یاں پلیٹ پے چپکا کے ہٹا لیو... تب یہ درواجا کھل جائے گا تو، تو نکل جائیو۔''

''تم کو کیسے پتہ''؟

''ارے ای پولیس والے نے بتایا... اور منا تو ماں کے ساتھ نکلیو''۔ منا شوبھا سے چپک کر کھڑا ہو گیا جیسے ہی وہ سکّا چپکا کر ہٹایا منا تو نکل بھاگا اور شوبھا کھڑی رہ گئی۔

''جا آ ا ا'' بنسی رام چلّایا۔

''اے منّا کے باپو اس درواجے نے تو ہم کو پکڑ لیا'' اور گھبراہٹ میں بنسی رام نے شوبھا کی کمر پر اس زور سے لات ماری کہ وہ وہاں سے نکل کر دور جا گری۔

''ہائے ہائے.... مار ڈالا کمر ہی توڑ دی''۔ بنسی رام نے اسے اٹھایا اور وہ وہاں سے اس کے ساتھ لنگڑاتی ہوئی چل دی۔

''اب ای کا مصیبت ہے.... چلنے والا جینا۔ اے منّا

ہاتھ پکڑ... ہاتھ..'' اور تینوں بمشکل ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس انداز سے کھڑے تھے جیسے کھیت میں بجّو کا۔ جیسے تیسے اوپر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ ٹرین لال قلعہ جا رہی ہے وہ تینوں جلدی سے اس میں چڑھ گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

''منّا کے باپو...ای کا کرنٹ سے چلتی ہے؟''

''ہاں''۔منّا ٹہل ٹہل کر ساری لڑکیوں کا معائنہ کرنے میں مصروف تھا اور لگاتار سُرڑ سُرڑ کرتا مسکرائے چلا جا رہا تھا۔

''اے منّا..... یاں کو آ.... واں کا ہے کو بھٹک را ہے... دوں گی ایک چماٹ... ساری بتّیسی نکل جائے گی.... منھ بند کر...ای لے ناک صفا کر... گنوار کہیں کا''۔شوبھا نے اس کو ڈانٹا۔ پوچھ گچھ کے بعد وہ تینوں لال قلعہ اسٹیشن پر اتر گئے۔

''اے سوبھا!منّا کو گود میں لے سٹّا ڈال ...اور تیزی سے نکل جا۔''

اس نے گھبراہٹ میں سٹّا ڈالا اور منّا کو لے کر اس تیزی سے نکلی کہ ساڑی کہ پلّو میں الجھ کر منّا سمیت دور جا گری... قریب تھا کہ منّا رونا شروع کر دیتا....اور تھوک، آنسو اور ناک پھر ملن کے لیے بے قرار ہوا اُٹھتے...بنسی رام نے اسے اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ بیس روپے کی رکشہ کر کے وہ وہاں سے لال قلعہ پہنچے۔

''منّا کہاں گیا؟'' شوبھا نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دیکھا وہ ایک انگریز کے پاس منھ کھولے اس انداز سے کھڑا تھا جیسے اس نے کسی دوسری دنیا کی مخلوق کو دیکھ لیا ہو۔

''چل تو یاں سے''۔شوبھا اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔ دوپہر کے 2 بج رہے تھے۔ انھوں نے سڑک کے کنارے میدان میں گھانس پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور وہیں لمبے ہو گئے۔

''اے سوبھا! چل اٹھ...لال کلا نا دیکھے گی''

''دیکھ تو لیا اور کیسے دیکھوں۔''

''اندر نا چلے گی''

''نا منّا کے باپو....بس ٹھیک ہی ہے...نا جانے اندر اور کا کا مصیبت آئے۔۔نا نا۔ یہ منّا پھر کاں گایب ہو گیا''

''ماں ں ں ں ں......

شوبھا اور بنسی رام نے دیکھا وہ ایک ہاتھ سے پتلون سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں شکر قند لیے بھاگتا چلا آ رہا ہے اور پیچھے پیچھے دکاندار بھی۔

''باپووو...'' وہ بنسی رام سے آ کر لپٹ گیا اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''یہ تمھارا بچہ ہے...اس نے میری دکان سے برگر چرایا ہے'' اور شوبھا نے چوری کا نام سنتے ہی اس کو اس طرح دھن کر رکھ دیا جیسے دھوبی کپڑوں کو دھنتا ہے۔ شکر قند دکاندار کو واپس کر دی گئی اور منّا روتا بلکتا رہ گیا۔

ادھر ادھر گھومنے کے بعد انھوں نے واپسی کا سفر باندھا۔ اسٹیشن پہنچے تو ان کے گاؤں جانے والی ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی جو چلنے ہی والی تھی... جیسے تیسے بھاگ کر وہ تینوں اس میں چڑھے اور ایک کونے میں پڑ گئے...ٹرین روانہ ہو گئی۔ منّا ذرا دیر میں ہی اونگھنے لگا اور سو گیا سوتے وقت اس کا منھ کھلا ہوا تھا اور دانتوں میں اب بھی بالوشائی کے ہلکے ریزے چپکے ہوئے تھے اور ٹرین اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

■

Safeena Begum
Research Scholar, Dept of Urdu
Aligarh Muslim University
Aligarh - 202001 (UP)

عادل حیات

مختصر کہانیاں

لنگڑا چوہا

شام ہونے والی تھی۔ سمیر کے قدم تیزی کے ساتھ گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔ صبح امی نے کہا تھا بیٹا چھٹی ہوتے ہی جلدی واپس آجانا۔ میں تمھارے لیے مِلک شیک بنا کر رکھوں گی۔ اس کے کانوں میں امی کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں اور منہ میں ملک شیک کے خیال سے پانی بھر آیا تھا۔ اس نے گھر پہنچ کر ہاتھ منہ دھویا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل پڑا۔ امی نے ڈائننگ ٹیبل پر ملک شیک کا گلاس اور ایک پلیٹ میں چند بسکٹ رکھ دیے تھے۔ دروازے سے گزرتے ہوئے سمیر ٹھٹھک گیا اور ٹکٹکی لگائے ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک چوہا ڈائننگ ٹیبل پر رکھے ہوئے ملک شیک کے گلاس پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا مگر ہر بار ناکامی ہی اس کے ہاتھ آئی۔

سمیر چوکھٹ کے پیچھے سے دیر تک چوہے کی حرکتیں دیکھتا رہا۔ اسے چوہے کی چال میں لکنت صاف نظر آئی یعنی چوہا لنگڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تمام جدو جہد کے باوجود ٹیبل سے گلاس کے سرے تک کے سفر کو طے کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ سمیر کو یاد آیا کہ ایک دن کام والی بائی نے آٹے کے کنستر سے ایک چوہے کو نکال کر زور کا بیلن مارا تھا۔ چوہا اپنی جان بچانے میں تو کسی طرح کامیاب ہوگیا مگر اس کی ایک ٹانگ جاتی رہی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ہو نہ ہو یہ وہی چوہا ہے۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ چوہا اس کی آہٹ پا کر پلیٹ کی اوٹ میں چھپ گیا۔ سمیر نے گلاس اٹھا کر اس میں رکھا ہوا ملک شیک ٹیبل پر گرا دیا۔ ذرا سی دیر میں ہی چوہا پلیٹ کی اوٹ سے باہر نکلا اور اپنے چھوٹے سے منہ سے چپر چپر کرتا ہوا ملک شیک پینے لگا۔

سمیر چوہے کو ملک شیک پیتے ہوئے دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ اس کی بھوک پیاس جاتی رہی۔ امی اپنے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے اس تماشے کو دوسرے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھیں۔ جب چوہا سیراب ہوگیا تو امی ملک شیک کا دوسرا گلاس لیے ہوئے ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں۔ انھوں نے بنا کچھ کہے سمیر کے ہونٹوں سے ملک شیک کا گلاس لگا دیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

سمجھدار منّو

ایک ہرا بھرا وسیع جنگل تھا۔ اس میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ انھیں میں منّو اور ببلو نام کے دو بندر بھی تھے۔ وہ آپس میں دوست تھے مگر دونوں کی شخصیت ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ببلو کی شرارتیں کبھی کبھی اس کی رسوائی کا سبب بن جاتیں۔ منّو کی شرافت اور عقل مندی جنگل میں مشہور تھی۔ اس کی اس شہرت نے ببلو کے دل میں نفرت کے بیج بو دیے۔ جس نے دھیرے دھیرے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لی۔

اب منو ببلو کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ وہ اس سے کھنچا کھنچا رہنے لگا اور اسے دوسرے جانوروں کی نظروں میں گرانے کی نت نئی ترکیبیں کرنے لگا۔

پہلے پہل تو منو کچھ نہ سمجھ پایا لیکن ببلو کے مسلسل کٹے کٹے رہنے سے وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ ایک دن ساری حقیقت اس پر روشن ہوگئی۔ وہ اگر چاہتا تو ببلو کی ان حرکتوں کا معقول جواب دے سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور صحیح وقت کا انتظار کرنے لگا۔

اسی درمیان موہنے ہاتھی کی موٹے گینڈے سے لڑائی ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے لہولہان ہوگئے۔ اس لڑائی کی خبر جنگل میں دور تک پھیل گئی۔ کچھ جانوروں نے بیچ بچاؤ کرانا چاہا لیکن ناکامی ہی ہاتھ آئی۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ اس موقعے پر منو کو بلا لینا مناسب ہوگا۔ وہی اپنی عقلمندی سے ان دونوں کی لڑائی ختم کرا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ جانور منو کو بلانے کے لیے دوڑ گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ منو اور ببلو ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے ہیں۔ اتنے سارے جانور کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر دونوں سیدھے ہوگئے۔ منو نے موہنے اور موٹے کی لڑائی کے بارے میں سنا تو طبیعت خراب ہونے کا بہانا کرلیا۔ اس موقعے کی تلاش میں ببلو کب سے انتظار کررہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور من ہی من میں اپنی فتح یابی کے جھنڈے گاڑتا ہوا ان جانورں کے ساتھ ہولیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے موہنے ہاتھی اور موٹے گینڈے کی باتیں سنی اور ایک بے وقوفی بھرا فیصلہ سنا دیا۔ جس سے موہنے اور موٹے میں پھر سے گھمسان شروع ہوگئی۔ جانوروں کو اس فیصلے پر غصہ آگیا۔ انھوں نے جی بھر کے ببلو کی خبر لی۔

اس واقعے سے ببلو کی عقل ٹھکانے آگئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا۔ وہ منو کے پاس گیا اور اپنی غلطی کا اظہار کرتے ہوئے معافی مانگنے لگا۔ منو نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کے بعد دونوں دوست خوشی سے جھومتے، ایک درخت سے دوسرے درخت پر اچھلتے کودتے ہوئے دور جنگل میں غائب ہوگئے۔

■

Dr. Adil Hayat
37/89, Ground Floor, Woodside Aptt.
St. No.: 01, Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

نور آفاق وانمباڑی

تندرستی

اَے مرے لاڈلو بات میری سنو
بات ہے کام کی نیک انجام کی
گندگی سے بچو صاف ستھرے رہو
غُسل کرنا بھی ہے بَن سنورنا بھی ہے
تھوڑی ورزش کرو تھوڑا آرام لو
جب کبھی پیاس ہو صاف پانی پیو
کھاؤ ترکاریاں دال اور سبزیاں
ہوں چنے یا مٹر کھاؤ تم بے خطر
کھاؤ کچھ میوے، پھل اِن سے پاؤ گے بل
مچھلی گوشت اور گھی کھاؤ تم یہ سبھی
دودھ پیتے رہو خوب جیتے رہو
کوئی موسم سہی کھاؤ مکھن دہی
کچھ پروٹین لو کچھ حیاتین لو
جب یہ سب لوگے تُم تندرست ہوگے تم
نورؔ، غم چھوڑ دو
ہر گھڑی خوش رہو

مصنفہ: الکا سراوگی
مترجم: محمد اکمل خان

کبھی شرارت نہ کرنے والا لڑکا

گولو کے بارے میں بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی کہانی نہیں سنی تھی جس میں اس نے کوئی شرارت کی بات کی ہو۔ اب تو خیر وہ نویں جماعت میں ہمیشہ اوّل آنے والا لڑکا ہے۔ پڑھائی کی طرف اس کی توجہ اس قدر رہتی ہے کہ اس کے والدین دل ہی دل میں چاہتے ہیں کہ وہ اپنے کمرے اور کتابوں کی دنیا سے نکل کر باہر کی دنیا بھی دیکھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کو باہر کی دنیا کی جانکاری نہ ہو، لیکن اس کا علم صرف ٹیلی ویژن کی معلومات پر مشتمل تھا۔ گولو کتابوں کی دنیا سے نکلتا تو ٹی وی کی دنیا میں کھو جاتا۔

مزے کی بات یہ تھی کہ گولو کے گھر میں شرارتی بچوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کے اپنے بڑے بھائی مولو اور بڑی بہن مولی کے علاوہ اس کے بڑے ابّو کا ایک لڑکا اور چچا کی دو لڑکیاں تھیں۔ یعنی کل ملا کر وہ چھے بچے تھے، تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ وہ سب دادا دادی کے ساتھ جنوبی کلکتہ میں نو منزلہ کی ایک بڑی عمارت میں اوپر نیچے فلیٹ میں رہتے تھے، لیکن سب کا کھانا چونکہ دادا دادی کے ساتھ نیچے ہی تھا اس لیے سبھی بچے جمع ہو کر کافی شور اور شرارت کرتے تھے۔

سب کی سردار گولو کی بہن مولی تھی جس کے پاس ہمیشہ کھیلنے اور شرارت کرنے کی نئی نئی ترکیبیں رہتیں۔ گولو جتنا سیدھا اور خاموش مزاج تھا وہ اتنی ہی شرارتی تھی۔ اسے گھر میں اور اسکول میں ہر جگہ ڈانٹ پڑتی تھی لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بچپن میں وہ مکان کی لفٹ کا بٹن دبا کر بھاگ جانے، سیڑھی کی ریلنگ پر پھسل کر نیچے اترنے اور پڑوسیوں کی گھنٹی بجا کر انھیں پریشان کرنے میں گولو کو ساتھ رکھنا چاہتی تھی لیکن گولو اسے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے ایک ٹک دیکھتا رہتا۔ وہ نہ کچھ اس سے کہتا اور نہ کسی اور سے اس کے بارے میں کچھ بولتا۔

گولو کو اگر کسی سے کوئی تکلیف تھی تو وہ اپنے بڑے بھائی مولو سے۔ مولو کی پڑھائی کی وجہ سے اکثر اس کی والدہ پریشان رہتیں اور اسے پڑھانے کے لیے بہت کوشش کرتی رہتیں۔ بات یہیں تک ہوتی تو ٹھیک تھا، لیکن مولو روز مشکل سے اسکول کے لیے تیار ہوتا۔ اس کی وجہ سے ہفتے میں کم از کم ایک بار گولو کو اسکول جانے میں دیری ہو جاتی تھی۔ وہ تیار ہو کر بس اسی فکر میں رہتا تھا کہ کب مولو تیار ہو اور کسی طرح وہ

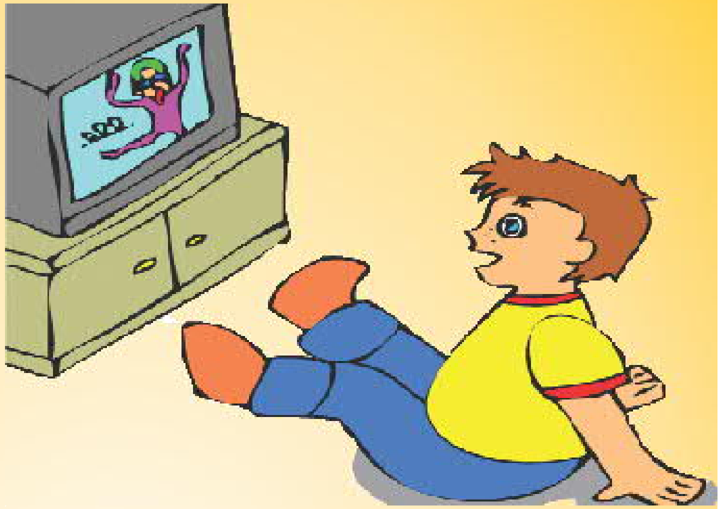

لوگ اسکول کے لیے نکلیں۔اُوپر سے مولوا سے چھیڑتا رہتا تھا ”ارے یار، ابھی دیر نہیں ہوئی ہے بابو۔کیوں جھوٹ موٹ ٹینشن کرتا ہے۔لیٹ جاؤ ابھی، فرسٹ تو آؤ گے ہی۔“

کبھی کسی کو گولو کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی کہ یہ کرو یا مت کرو۔سب جانتے تھے کہ وہ کوئی غلط کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنا سب کام وقت پر صحیح طریقے سے کرتا تھا۔اسے اصول کے خلاف جاتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔اس معاملے میں دیکھا جائے تو وہ تھوڑا ڈرپوک بھی تھا۔دیوالی کے موقع پر آواز کے پٹاخے چلانا منع ہے اور ایسا کرنے پر پولس کمپاؤنڈ میں آجائے گی، اس ڈر سے وہ ہلکی آواز والے پٹاخے تک میں ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔اس کے والدین کہتے کہ اتنی کم آواز پر پابندی نہیں ہے لیکن وہ دور رہتا۔

شاید یہ ڈر اور احتیاط گولو نے بچپن میں اپنے اسکول کی مس ڈسوزا سے سیکھا تھا۔مس ڈسوزا سے سبھی بچے تھر تھر کانپتے تھے کیونکہ کچھ بھی غلطی ہونے پر وہ سیدھے اسکیل سے بچوں کے ہاتھ پر مارتی تھیں۔گولو ان کے ڈر سے ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے مار پڑے۔لیکن جب وہ روز اسکول جاتے وقت دودھ پی کر الٹی کرنے لگا تب اس کی والدہ نے جا کر مس ڈسوزا سے بات کی۔مس ڈسوزا نے اسے بلا کر پیار کیا اور کہا کہ وہ گولو جیسے اچھے بچوں کو کبھی نہیں مارتیں۔تب جا کر گولو نے الٹی کرنا بند کیا تھا۔

آہستہ آہستہ دادا دادی سے لیکر چچا کی چھوٹی لڑکی تک سب کو یہ پتہ چل گیا کہ گولو کو کوئی بات اچھی نہیں لگتی ہے تو وہ بالکل خاموش ہو جاتا ہے۔یوں بھی وہ بہت کم بولتا تھا۔حالانکہ وہ ٹی وی کے سیریل یا فلمی ہیرو کی ہوبہو نقل کر لیتا تھا۔جب سبھی بچے جمع ہو کر ہنگامہ کرتے تھے تو خصوصاً مولی کی فرمائش پر کبھی کبھی وہ ایک آدھ کی نقل پیش کر دیتا۔سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ٹی وی کے مزاحیہ کرداروں کی نقل تو وہ پورے پورے مکالمے کے ساتھ کر لیتا تھا۔اتنا ہی نہیں وہ ٹی وی پر آنے والے ڈانس کو بھی ویسے کا ویسا کر کے دکھا سکتا تھا۔لیکن باقی کسی طرح کی بات چیت وہ اپنی طرف سے نہیں کرتا تھا۔سب کی سنتا اور اس طرح خاموش رہتا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ گولو دھیرے دھیرے کس طرح ان لوگوں کی زندگی سے کب حقیقت میں غائب ہو گیا۔گولو اپنا کھانا ٹی وی کے سامنے منگوا کر کھانے لگا۔اگر کوئی کچھ کہتا تو وہ بغیر کھائے اور بغیر کچھ بولے ہوئے پورا پورا دن بھوکا رہنے لگا۔دادا دادی اور والدین سب اس کی اس طرح کی ضد سے پریشان تو ہوئے لیکن انھیں لگا کہ وہ باقی بچوں سے الگ ہے۔وہ وقت کا اتنا پابند اور پڑھائی میں اتنا پکا تھا کہ اسے

ڈانٹنا بھی مشکل تھا۔ اس کی والدہ کو ڈر رہتا کہ کہیں وہ پھر الٹی نہ کرنے لگے۔ مولی اسے ہنسانے اور گدگدانے کی کوشش کرتی رہتی۔ لوگوں کی غیر موجودگی میں اس کا کھانا کچن سے اٹھا کر کمرے میں لے آتی۔ سب نے سوچا کہ شاید کچھ دنوں میں وہ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔

باقی بچوں کی طرح گولو کو نئے کپڑے یا سامان کی فرمائش کرنے کی عادت نہیں تھی۔ نہ ہی پیسے لے کر اسکول کی کینٹین سے کچھ خریدنے کی اس کی خواہش ہوتی۔ مولی کے پاس نہ جانے کہاں سے پیسے آ جاتے اور وہ اس کے لیے چاکلیٹ، چپس اور کولڈ ڈرنک لے آتی۔ بغیر التجا کیے ہی گولو کو سب کچھ ملتا رہتا تھا۔ کبھی اس کے بھائی مولو نے مذاق میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ گولو کو تو بہت آرام ہے، وہ تو گھر کا راجا ہے۔ لیکن گولو کا مایوس چہرہ دیکھ کر وہ ڈر گیا کہ گولو یہ سب لینا بند نہ کر دے۔ سچ تو یہ تھا کہ مولو بہت خوش مزاج مذاقیہ قسم کا لڑکا تھا اور گھر میں گپیں لڑانے کی اپنی عادت کی وجہ سے بچوں میں خوب مقبول تھا۔ لیکن وہ بھی گولو کی ناراضگی سے ڈرتا تھا اور اس سے مذاق کرنے سے کتراتا تھا۔

وقت گزر رہا تھا اور بچے بڑے ہوتے جا رہے تھے۔ گھر میں اتنے سارے لوگ تھے اور سب کا سب سے محبت کا رشتہ تھا۔ بچوں نے کسی طرح کا لڑائی جھگڑا کبھی نہیں دیکھا تھا جیسا عام طور پر بڑے گھروں کے بچے دیکھتے تھے۔ سب مل کر گولو کا خیال رکھتے تھے لیکن سب دل ہی دل میں اس کے لیے فکر مند بھی تھے۔ سب نے ایک بار آپس میں بات چیت کی کہ گولو باقی بچوں کے مقابلے میں کافی کم گو ہے، شاید اس لیے اداس ہے۔ ایک بار دادی کی کسی بہن نے اس کے سامنے ایسا کچھ کہہ دیا تھا۔ تب سے شاید وہ باہر کے لوگوں کے سامنے کبھی نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ سال میں چھ سات بار آنے والی دادی جی کی بہنوں نے اسے تین فٹ سے چار فٹ کا ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بار اسکول سے واپس آتے وقت بڑی پھوپھی کو وہ مکان کے نیچے مل گیا تو انھوں نے اسے پہچانا ہی نہیں۔ وہ واقعی گھر کا اجنبی بچہ بن گیا تھا۔

سب نے طے کیا کہ گولو کے لیے اپنے کمرے کے باہر گھر کے باقی لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا بہت ضروری ہے۔ گولو کی والدہ اس قدر فکر مند ہو گئیں کہ انہیں بخار آ گیا۔ اب گولو کو بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے والدین اگر اسے کچھ کہیں گے تو وہ شاید کھانا پینا بند کر دے۔ ان کی پچھلی کوششوں کا یہی نتیجہ ہوا تھا۔ سب نے مل کر مولو کو بھی خوب ڈانٹا کہ اس کی وجہ سے گولو اسکول میں لیٹ ہو جاتا تھا اور اس لیے بھی وہ ایسا ہو گیا تھا۔ گولو شاید بہت غصے میں بھرا رہتا تھا لیکن کسی کو کچھ نہ کہنے کی عادت کی وجہ سے وہ بالکل خاموش اور اکیلا رہنے لگا۔

وہ لوگ کچھ کرتے اس سے پہلے سب مصروف ہو گئے۔ گھر میں انھیں دنوں ایک نیا مہمان شامل ہو گیا تھا۔ چچی کو ایک چھوٹا سا پیارا بیٹا ہوا۔ سب اسے دیکھنے اسپتال جانے لگے تو دیکھا کہ گولو ساتھ جانے کے لیے پہلے سے ہی نیچے کھڑا ہے۔ اسپتال میں بچوں کو دیکھنے کے لیے کانچ کے سامنے بڑی بھیڑ لگی تھی لیکن گولو کانچ کے سامنے سے کسی طرح نہیں ہٹا۔ وہ پورے وقت کھڑا اپنے چھوٹے بھائی کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک ملاقات کا وقت ختم نہیں ہو گیا۔ گولو جب چچی سے ملا تو انھوں نے پوچھا ''منا کیسا لگا؟'' گولو بولا ''وہ تو ایک دم گورا ہے۔'' تب چچی نے کہا ''میں چاہتی ہوں کہ وہ تمھارے جیسا بنے۔'' اس لیے اس کا پیار کا نام 'گ' سے ہی رکھوں گی۔ تم بتاؤ

کہ اس کا نام کیا رکھا جائے؟'' سبھی بچوں نے اس بات پر خوب شور مچایا اور گولو ہنستا رہا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ اس کا پیار کا نام ''گُل گُل'' رکھا جائے۔

اس کے بعد گولو نے کسی طرح کی کوئی شیطانی کی بات نہیں کی۔ گولو گل گل کا اس قدر خیال رکھنے لگا کہ جیسے وہ اس کی دوسری ماں ہو۔ فرصت ملتے ہی وہ چچی کے کمرے کا چکر لگا آتا۔ اس کا ٹی وی دیکھنا تقریباً چھوٹ گیا تھا۔ سال بھر کا ہوتے ہوتے گل گل کی گولو سے اس قدر دوستی ہو گئی کہ گولو کے علاوہ وہ کسی کے پاس جاتا ہی نہیں تھا۔ تین سال کا ہوتے ہوتے اس نے گولو کے کمرے میں اپنا چادر تکیہ جما لیا تھا۔ چچی کتنی بھی کوشش کرتیں لیکن وہ گولو کے ساتھ ہی سوتا۔ اس کا کھانا، نہانا، اسکول کے لیے تیار ہونا...... کچھ بھی گولو کے بغیر نہیں ہوتا۔ گولو کئی بار اس سے پریشان ہوتا لیکن گل گل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر گل گل اسکول سے آنے کے بعد ایک گھنٹے تک دکھائی نہیں دیتا تو گولو خود اسے تلاش کرنے چچی کے فلیٹ میں پہنچ جاتا۔

ظاہر ہے کہ گولو کو بدلنے کے لیے کسی کو کچھ نہیں کرنا پڑا۔ لیکن اب وہ کم بولتا ہے، مگر جب بھی بولتا ہے تو اس کے مذاق پر جو ہنسی کا فوارہ چھوٹتا ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(ساھتیہ اکادمی انعام یافتہ مصنفہ الکا سراوگی کی ہندی کہانی کبھی شیطانی نہ کرنے والا لڑکا کا اردو ترجمہ)

■

Alka Sarawagi
2/10, Sharat Bos Road,
Kolkata - (WB)
Mohd Akmal Khan
Research Scholar, Dept of .....
MANUU, Hyderabad - 500032 (Telangana)

جوابات

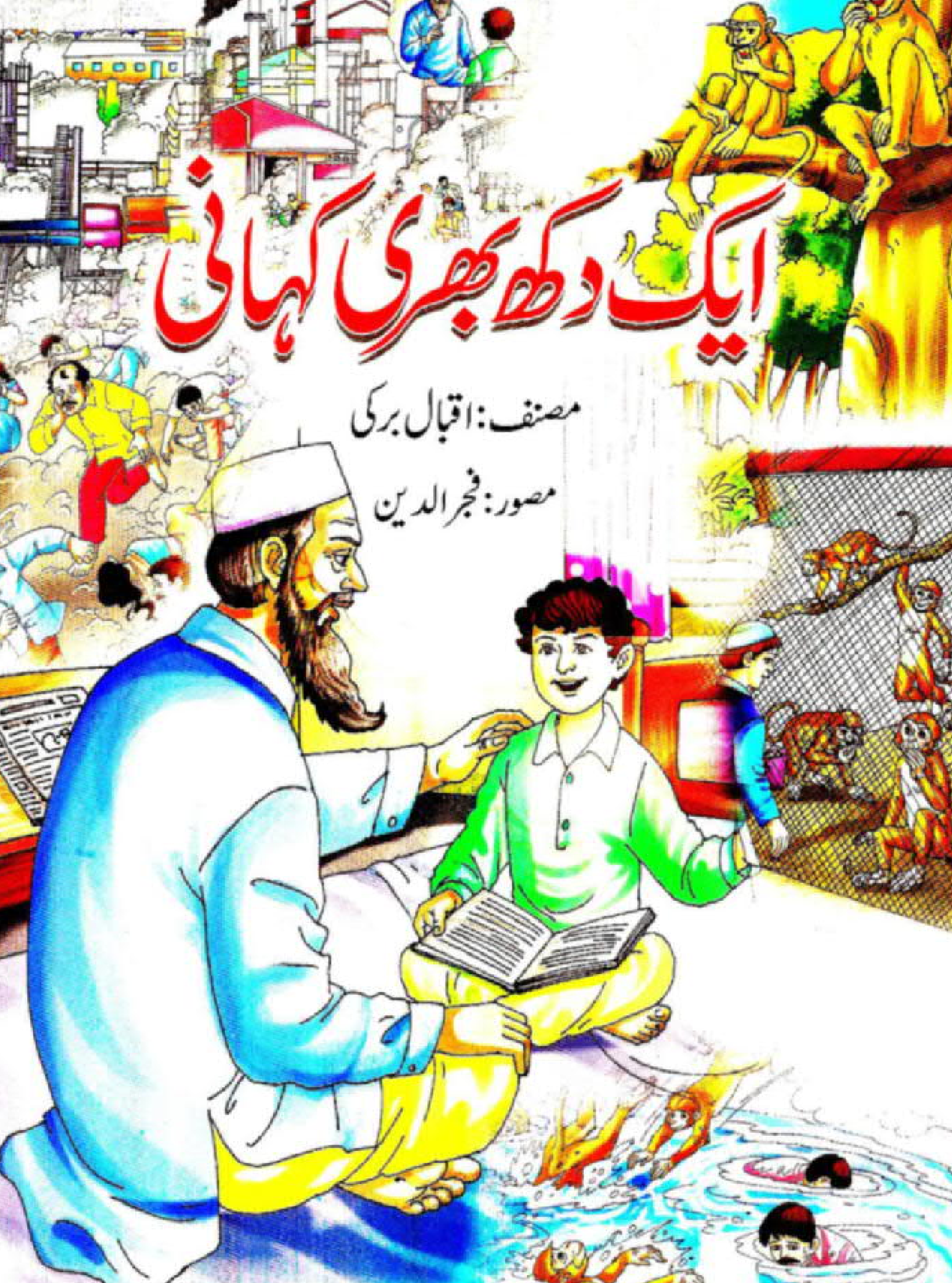
ایک دکھ بھری کہانی
مصنف: اقبال برکی
مصور: فخر الدین

میرے بیٹے کی جیسے ایک عادت سی بن گئی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جب بھی مجھے اخبار الٹتے پلٹتے دیکھتا دوڑتے ہوئے میرے پلنگ پر چڑھ جاتا اور کچھ دیر بعد فرمائش کرتا: "ابو کوئی اچھا سا واقعہ سناؤ نا..........."

میں واقعہ سنانا شروع کرتا۔ کبھی تاریخی، کبھی سچے واقعات سناتا، کبھی کسی کہانی کے کوئی دلچسپ حصے کو واقعہ بنا کر سنا دیتا یا کبھی کبھی کوئی من گھڑت ایسا واقعہ سنا دیتا جس سے کچھ عبرت کا کوئی سبق سیکھنے کا پہلو نکلتا ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ میں واقعہ سنانا شروع کرتا۔ کچھ دور پہنچتا اور پھر مجھے اپنے بیٹے کی تیز سانسوں کا ایک مترنم شور سنائی دینے لگتا۔

جب میں اُسے دیکھتا تو وہ گہری نیند میں ڈوب چکا ہوتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ کوئی واقعہ پورا سن سکا ہو۔ اگر کبھی ایسا ہو بھی جاتا تو وہ پورا واقعہ سن لیتا لیکن جب میں یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ اس کو کتنا سمجھا ہے اور اُس سے کوئی سوال کرتا تو ایسا ہوتا کہ وہ الٹا مجھ سے ایک سوال کر بیٹھتا اُس کا سوال سن کر میں یہ تصور کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ اس واقعے یا کہانی کے کون سے حصے پر اٹکا رہا اور اس کا ذہن وہیں سے میرا ساتھ چھوڑ کر نہ جانے کن کن وادیوں میں بھٹکتا رہا تھا۔ اسی لیے آج میں نے اس سے کہا تھا کہ اس واقعے پر تم کو بھی غور کرنا ہے۔

وہ ہمہ تن گوش تھا اس کی پلکیں بہت دیر بعد جھپکتی تھیں۔

میں نے کہنا شروع کیا۔

''آج سے تقریباً تیس برس پہلے ہمارے ملک میں ایک بھیانک حادثہ ہوا تھا۔ ایک ایسا حادثہ کہ اگر دنیا کے کسی اور ملک میں ہوتا تو صدیوں تک بھلایا نہیں جاتا اور اس کا جتنی زیادہ سختی سے نوٹس لیا جاتا، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیسا حادثہ ہوا تھا............ ابو جی!''

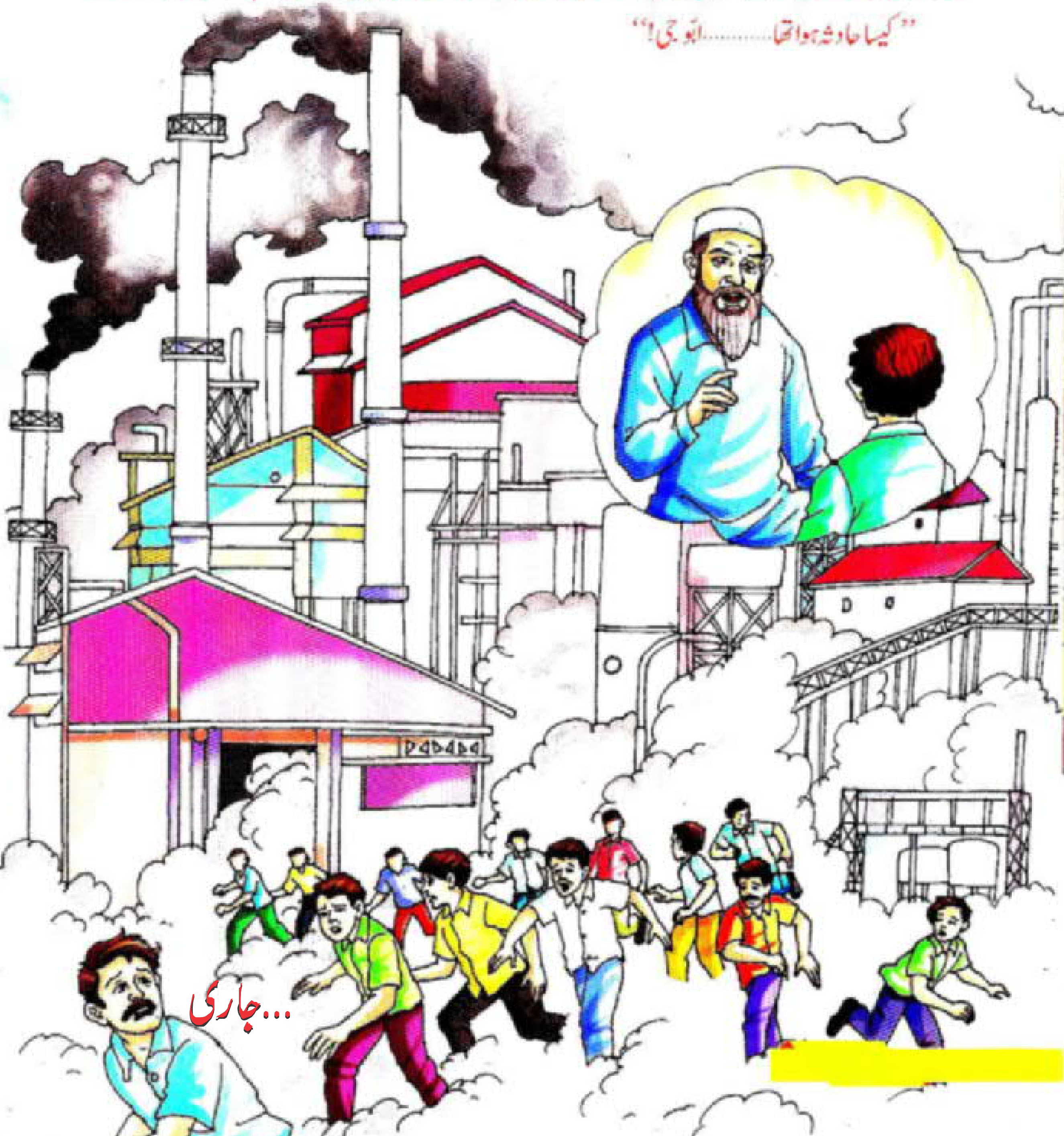

جاری...

مصنفہ: جولز ورنے
مترجم: شکیل صدیقی

پہلی قسط

زمین کی تہ میں

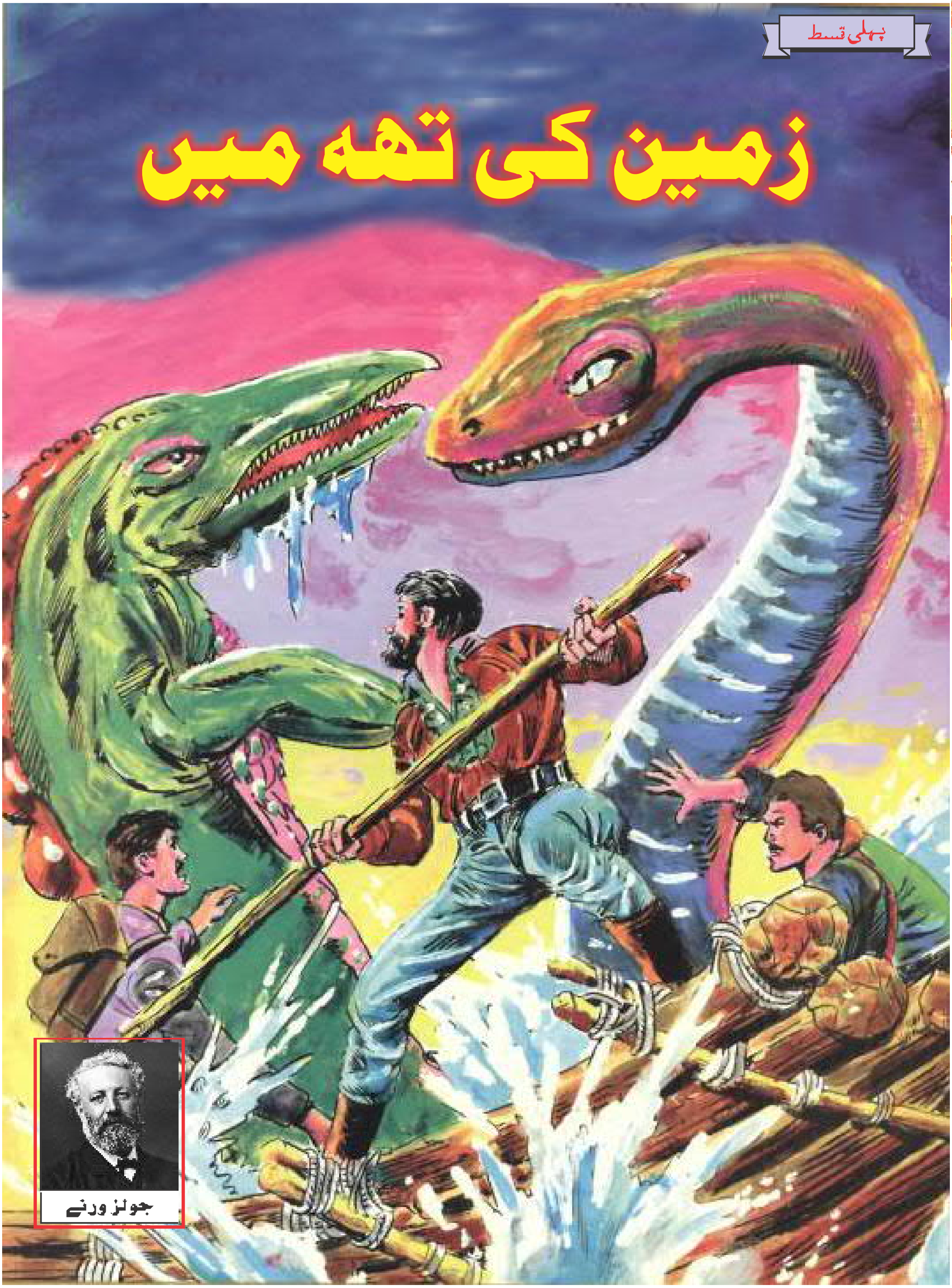

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کو نئے نئے جہانوں کی سیر کرائیں اور ثقافتی، تاریخی و تہذیبی معلومات کے ساتھ ساتھ جغرافیائی، ارضیاتی اور سائنسی معلومات بھی فراہم کریں۔ اس شمارے کے ساتھ ہم ایک نیا سلسلہ وار ناول شروع کررہے ہیں جو پہلے فرانسیسی زبان میں 1864 میں لکھا گیا تھا۔ اِس ناول کا ترجمہ اردو سمیت دنیا کی اہم زبانوں میں ہوچکا ہے۔ اِس ناول کے مصنف جولز ورنے ہیں جو عالمی ادب میں فادر آف سائنس فکشن کے طور پر مقبول ہیں۔ ان کے ایک ناول Around the World in Eighty Days کو بہت زیادہ شہرت ملی تھی جس کو آپ نے 'بچوں کی دنیا' میں قسط وار پڑھا بھی ہے۔ جولز ورنے کے ناول بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی بہت مقبول رہے ہیں۔ انھیں نئے نئے جہانوں کی سیر کرنے اور کرانے میں ملکہ حاصل تھا۔ ان کے ناولوں پر کئی فلمیں اور ٹیلی سیریل بھی بن چکے ہیں۔ 'زمین کی تہہ میں' ایک ایسا ناول ہے جس میں زمین کے ہزاروں فٹ نیچے کی دنیا کو دکھایا گیا ہے۔ یہ پروفیسر لائڈین بروک کی کہانی ہے جو ایک پراسرار تحریر کے بعد زمین کی تہہ کے ایک سفر پر نکلتا ہے جس میں اُسے ڈھیر ساری مشکلات پیش آتی ہیں۔ عجیب و غریب جانداروں اور اشیا سے اُس کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ کس طرح زمین کی تہہ تک پہنچتا ہے اور واپس اس دنیا پر آتا ہے یہی اس ناول کا ماحصل ہے۔ اس میں آپ کو سائنس کی اہم معلومات کے ساتھ ساتھ زمین کے اندر کی عجیب و غریب جانکاریاں بھی ملیں گی۔ اب آپ ناول کی پہلی قسط پڑھیں۔ امید ہے کہ 'قصہ حاتم طائی' کی طرح یہ سلسلہ بھی آپ کو بے حد پسند آئے گا۔(ادارہ)

پراسرار تحریر

24 مئی 1863 کو اتوار کے دن پروفیسر لائڈن بروک اپنے مکان کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آتے دکھائی دیے۔ ان کا مکان ہمبرگ کے پرانے علاقے میں کنگس اسٹریٹ پر واقع تھا۔

مارتھا نے ابھی دوپہر کا کھانا تیار کرنا شروع ہی کیا تھا۔

''اگر چچا جان بھوکے ہوں گے اور انھیں کھانا نہیں ملے گا تو وہ بہت غصے ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ بہت بے صبرے انسان ہیں۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''کیا پروفیسر بروک ابھی سے آ گئے؟'' مارتھا نے ڈائننگ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے چیخ کر کہا۔

''ہاں مارتھا، مگر لنچ تیار نہیں ہے تو پریشان نہ ہو۔ اس

لیے کہ گھڑی نے ابھی ڈیڑھ بجائے ہیں۔''

''پھر پروفیسر ابھی سے کیوں آ گئے؟؟ لو وہ تو دروازے پر پہنچ گئے۔ البرٹ میں جا رہی ہوں۔ تم ہی ان کے سامنے وضاحت کرنا۔'' وہ بولی۔

پھر وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور میں تنہا رہ گیا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو غصیلے پروفیسر کا سامنا کر کے اسے پرسکون کر سکیں۔ میں اپنے اوپری کمرے میں اپنے کے لیے زینے کی طرف لپکا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور صاحبِ خانہ اندر داخل ہوئے۔ ان کی آمد سے زینہ بل کر رہ گیا۔ ڈائننگ ہال سے اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے انھوں نے اپنی چھڑی ایک گوشے میں پھینکی اور ہیٹ کو میز پر اچھال دیا۔ پھر مجھ سے کہا:

''البرٹ میرے پیچھے آؤ۔''

اس سے پہلے کہ میں اپنی جگہ سے حرکت کرتا پروفیسر نے کہا ''تم ابھی تک نہیں آئے۔''

میں دوڑ کر اپنے مالک کی اسٹڈی کی طرف گیا۔

پروفیسر بروک مزاج کے اعتبار سے خراب آدمی نہیں تھے، لیکن وہ روز بہ روز کچھ عجیب سے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جونائم میں علمِ معدنیات کے پروفیسر تھے اور اس مضمون پر لیکچر دیتے تھے۔ ان لیکچروں کے دوران وہ غصے میں آ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے تھے۔ بدقسمتی سے میرے چچا بہت سے لوگوں کے درمیان اچھی طرح سے نہیں بول پاتے تھے۔ لیکچر دینے کے دوران وہ کسی مشکل لفظ پر اٹک جاتے اور جب کوشش کر کے اسے ادا کرتے تو وہ لفظ مضحکہ خیز بن جاتا۔

علمِ معدنیات میں یونانی اور لاطینی کے بہت سے ایسے الفاظ شامل ہیں کہ انھیں اچھے سے اچھا مقرر بھی خوب صورتی اور روانی سے ادا نہیں کر سکتا اس لیے پروفیسر بروک ان کی ادائیگی پر اٹکتے اور غصے ہو جاتے تھے۔

ان کی اس کمزوری سے تقریباً سب ہی واقف تھے لہٰذا طالب علم اس کے منتظر رہتے کہ وہ کب غصہ کریں تو وہ قہقہے لگائیں۔ بہت سے لوگ تو ان کے لیکچروں میں شامل ہی اس لیے ہوتے کہ قہقہے لگائیں۔

بہرحال میرے چچا ایک اچھے طالب علم تھے، وہ

معدنیات اور ارضیات کے ماہر تھے۔ کسی بھی نمونے کو دیکھ کر وہ بتا سکتے تھے کہ وہ معدنیات کی چھ قسموں میں سے کون سی قسم ہے۔ اسی بنا پر پروفیسر بردک کا نام تمام اداروں اور کالجوں میں احترام سے لیا جاتا تھا۔ ہمبولٹ اور ہمفرے ڈیوی جیسے لوگ جب ہمبرگ آتے تو ان سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علم طبیعیات کے مشہور و معروف لوگوں کو جب کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ان سے مدد لیتے تھے۔

اور اب وہ شریف آدمی نہایت اضطراب سے مجھے بلا رہا تھا۔ وہ دراز قامت اور دبلے پتلے سے تھے، مگر ان کی صحت عمدہ تھی، اور رنگت صاف ستھری۔ اس وجہ سے وہ پچاس سال سے کم ہی کے لگتے تھے۔ ان کی کشادہ آنکھیں ہر وقت عینک کے شیشوں کے پیچھے حرکت کرتی رہتی تھیں۔ جبکہ ان کی ناک کسی چاقو کی طرح سے نوکیلی اور تیز دھار معلوم ہوتی تھی!

جب وہ چلتے تھے تو لمبے لمبے قدم اٹھاتے تھے اور ان کی مٹھیاں بھنچی رہتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ غصے میں ہوں۔ جو ان کے متعلق اتنا کچھ جانتا تھا وہ ان کے قریب پھٹکنے کی بھی کوشش نہیں کرتا تھا۔

میرے چچا کی مالی حالت اچھی تھی۔ کنگس اسٹریٹ پر ان کا جو مکان تھا اسے اینٹوں اور لکڑیوں سے تعمیر کیا گیا تھا جس کے سامنے کے رخ پر ایک نہر تھی۔ اس مکان میں ان کے علاوہ ان کی سترہ سالہ بیٹی جولی، ملازمہ مارتھا اور میں رہا کرتے تھے۔ میں ان کا بھتیجا تھا اور ان کے کاموں میں ان کی معاونت کرتا تھا۔ میرے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔

میں بچپن ہی سے چٹانوں اور معدنیات سے مانوس تھا اور مجھے یہ سب چیزیں اچھی لگتی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب میں بڑا ہوا تو مجھے ارضیات اور معدنیات سے دل چسپی پیدا ہوگئی اور میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے لگا۔

چچا جان جلد باز تھے اور جلد غصے میں آ جاتے تھے، مگر اس کے باوجود میں ان کے ساتھ خوش تھا۔ وہ اس قدر جلد باز تھے کہ فطرت پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگتے تھے۔ اپریل کے مہینے میں انھوں نے اپنے کمرے میں چند گملوں میں پھولوں کے بیج ڈال دیے تو پودے نکل آئے۔ وقت گزرنے پر

پودے بڑھ جاتے، لیکن چچا اتنا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ ہر صبح ان پودوں کی پتیاں نوچا کرتے تھے تاکہ وہ اور جلد بڑھ جائیں۔

ایسے آدمیوں کے تو اشاروں پر حرکت کرنا چاہیے۔ اس لیے میں ان کے کمرے کی طرف لپکا۔ ان کی اسٹڈی کسی میوزیم سے کم نہیں ہے۔ وہاں تمام معدنیات کے نمونے نہایت سلیقے سے رکھے ہیں جن پر ان کے نام بھی درج ہیں۔

مجھے بھی ان نمونوں سے دلچسپی تھی اور میں انھیں جھاڑ پونچھ کر احتیاط سے رکھتا تھا۔ وہ تعداد میں اتنے تھے کہ ان کے کنگس اسٹریٹ کا یہ مکان جس میں رہا کرتے تھے دوبارہ تعمیر کیا جا سکتا تھا!

جب میں اسٹڈی میں داخل ہوا تو میں نے انھیں ایک بڑی ہتھے والی کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں چرمی جلد والی ایک بھدی سی کتاب تھی۔ ''کیا خوب کتاب ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے۔ پروفیسر بروک کو غیر معمولی کتابوں سے بہت دلچسپی تھی۔ ''یہ ایک بیش قیمت خزانہ ہے جو پرانی کتابوں کی دکان سے آج صبح مجھے ملا ہے۔''

''شاندار!'' میں نے کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس پرانی کتاب میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''ہاں واقعی شاندار ہے۔ اچھا کیا یہ آسانی سے کھل سکتی ہے؟ ہاں آسانی سے کھل جاتی ہے۔ اچھا ذرا اس کے پشتے کی طرف دیکھو۔ سات سو سال گزرنے کے بعد بھی کہیں سے شکستہ نہیں ہوئی ہے اور اس میں کوئی درز نہیں پڑی ہے۔''

''اور اس حیرت انگیز کتاب کا نام کیا ہے؟'' میں نے مصنوعی دلچسپی کا اظہار کیا۔

''یہ کتاب'' چچا جان نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''بارہویں صدی کے مشہور آئس لینڈی مصنف ٹروسن کی لکھی ہوئی ہے۔'' اس میں ناروے کے ایک شہزادے کی کہانی ہے جس نے آئس لینڈ پر حکمرانی کی تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ ترجمہ ہے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔

''کیا؟'' چچا گرجے۔ ''ترجمہ؟ یہ اصل کتاب ہے جو آئس لینڈ کی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔

مجھے اس بات پر تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ میں نے کہا ''کتاب تو اچھی چھپی ہے۔''

''چھپی ہے؟ تمھارا خیال ہے کہ یہ کتاب چھپی ہوئی ہے۔ احمق لڑکے یہ مخطوطہ ہے، ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب، رونک خط میں۔''

''رونک؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے اس کی وضاحت چاہو گے۔ رونک حروفِ تہجی پہلے زمانے میں آئس لینڈ میں استعمال ہوتے تھے۔ لڑکے تم اسے دیکھ کر تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکو گے۔''

اس وقت اتفاق سے کتاب سے ایک صفحہ نکل کر فرش پر گر گیا۔ چچا نے جھک کر اسے فوراً اٹھا لیا۔

''یہ کیا ہے!'' وہ اضطراب سے بولے۔ وہ صفحہ تہہ کیا ہوا تھا۔ انھوں نے اسے کھولا اور میز پر رکھ دیا۔ اس پر ہاتھ سے کچھ لکھا ہوا تھا جو میرے لیے نامانوس تھا۔

پروفیسر چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہے پھر اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے بولے ''یہ رونک حروف میں تحریر کیا گیا ہے اور ٹروسن کی کتاب جیسی تحریر ہے، مگر اس کا مطلب کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میرا خیال ہے کہ یہ پرانی آئس لینڈی زبان ہے۔''

ساری دنیا میں اس وقت تقریباً دو ہزار زبانیں استعمال ہورہی ہیں، پروفیسر بروک ان سب سے تو واقف نہیں ہیں، لیکن بہرحال انھیں بہت سی زبانیں آتی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ اگر وہ اس تحریر کا مطلب نہیں سمجھ سکیں گے تو ان کا پارہ چڑھ جائے گا۔ میں اس لمحے کا انتظار کررہا تھا کہ اسٹڈی میں لگی ہوئی گھڑی نے دو بجائے۔

ٹھیک اسی وقت مارتھا دروازہ کھول کر اندر آئی اور اس نے کہا''سوپ تیار ہوگیا ہے۔''

''سوپ! میں سوپ نہیں پینا چاہتا۔'' چچا جان چیخے۔

مارتھا پلٹ کر وہاں سے نکل گئی اور میں بھی اس کے پیچھے وہاں سے نکل آیا۔تھوڑی دیر میں کھانے کی میز پر اپنی مخصوص جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں انتظار کرتا رہا،لیکن چچا جان اپنی اسٹڈی سے باہر نہیں آئے، حالانکہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی دوپہر کے کھانے کو منع نہیں کیا تھا۔جبکہ کھانے میں کیا کیا نعمتیں تھیں! سوپ، انڈے، گوشت اور مچھلی۔ میرے چچا کھانے سے اس لیے انکار کررہے تھے کہ وہ کاغذ کے ایک ٹکڑے میں الجھے ہوئے تھے۔ میں بہرحال ان کا بھتیجا تھا،اس لیے مجھ پر فرض عائد ہوتا تھا کہ اپنے علاوہ ان کا کھانا بھی کھاؤں۔ یہ سوچ کر میں جُٹ گیا۔

''پروفیسر بروک کھانے نہیں آئے۔'' مارتھا نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا''اس کا مطلب ہے کہ کوئی خاص بات ہوگئی ہے۔''

میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس کا کوئی خاص مطلب ہے۔ ایک

خاص بات ضرور ہوسکتی تھی کہ اپنے چچا کا کھانا کھانے سے میرا پیٹ خراب ہوجائے! میں کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ چچا کی گرج سنائی دی۔ میں وہاں سے لپک کر پھر اسٹڈی میں چلا گیا۔

''یقیناً یہ رونک حروف ہیں۔'' پروفیسر نے پرخیال لہجے میں کہا۔ ''اور میں اس کا مفہوم جاننا چاہتا ہوں۔ بیٹھو اور لکھنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔''

میں تیار ہوگیا۔

انھوں نے رونک حروف انگریزی میں ترجمہ کرائے اور پھر انھیں غور سے دیکھا، مگر تحریر سے کوئی مفہوم نہیں نکلا۔ پھر انھوں نے محدب عدسے، سے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس کتاب کا جائزہ لیا کہ ممکن ہے اس کتاب کے مالک نے اس پر اپنا نام لکھا ہو۔ اس کا نام دھندلا گیا تھا، لیکن چچا نے پھر بھی پڑھ لیا۔ 'آرنی' وہ فاتحانہ انداز میں چیخے۔ ''یہ سولہویں صدی میں آئس لینڈ کا مشہور سائنس داں تھا، جس نے حیرت انگیز چیزیں دریافت کی تھیں، لیکن اس نے ایسی گنجلک اور پیچیدہ تحریر کیوں لکھی ہے؟''

''اگر اس سائنس داں نے کچھ دریافت کرلیا تھا تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے کہا۔

''ہاں یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے۔ جب تک اس تحریر کا مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا میں اس وقت تک نہ تو کچھ کھاؤں پیوں گا اور نہ ہی سوؤں گا، اور البرٹ تم بھی ایسا نہیں کروگے؟'' انھوں نے کہا۔

''اوہ خدایا!'' میں نے سوچا۔ شکر ہے کہ میں نے آج دوپہر کو دو کھانے کھالیے ہیں۔''

''سب سے پہلے میں بنیادی بات سمجھنا چاہتا ہوں کہ آرنی ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اس نے جب اپنی زبان میں کتاب نہیں لکھی تو لازماً لاطینی کا سہارا لیا ہوگا، مگر اس لاطینی میں دوسری زبان کے الفاظ کی آمیزش بھی ہے۔ البرٹ اس تحریر میں ایک سو بتیس الفاظ ہیں آؤ ذرا انھیں دیکھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر انھوں نے میرے سامنے پڑا ہوا کاغذ اٹھا لیا لیکن میں کاغذ کی طرف دیکھنے کی بجائے دیوار پر لگی جولی کی تصویر دیکھنے لگا۔ نیلی آنکھوں والی جولی جسے میں پسند کرتا تھا اور شادی کرنے والا تھا۔

مجھے وہ دن یاد تھے جب میں اس کے ساتھ چچا کے پتھروں کو درست کیا کرتا اور انھیں ترتیب سے رکھا کرتا تھا۔ پھر ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دریا کی سیر کو جاتے تھے۔

چچا جان نے اچانک میز پر ہاتھ مارا تو میں خیالوں کی دنیا سے واپس آگیا۔ ''البرٹ'' انھوں نے کہا ''ہمیں ہر لفظ کا پہلا حرف اور پھر دوسرا لفظ لکھنا چاہیے۔''

میں نے مستعدی سے کاغذ سنبھالا اور اس پرانی تحریر کے لفظ کا پہلا حرف لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چچا نے اس کاغذ کو دیکھا اور الجھن سے بولے ''اب بھی کوئی مفہوم نہیں نکلا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔'' انھوں نے اپنا ہاتھ چلایا تو میز پر رکھی دوات ایک طرف جا پڑی اور میرے ہاتھ سے قلم گر گیا۔

انھوں نے اسٹڈی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ پھر میں نے انھیں مکان سے بھی باہر جاتے دیکھا۔

■

(جاری)

ماخذ: زمین کی تہہ میں (جولز ورنے کے ناول کا ترجمہ)
مترجم: شکیل صدیقی، ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
اشتراک: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سیدہ فاطمہ زہرہ

گرمیوں کی تعطیلات کا استعمال

گرمی کی تعطیلات شروع ہوتے ہی بچے پکنک اسپاٹ یا سیرو تفریح پر جانے کا پروگرام بناتے ہیں یا دوسرے شہر یا گاؤں میں رشتہ داروں کے یہاں جاتے ہیں اور چھٹیوں کے یہ قیمتی ایام بغیر کسی نتائج اور مقصد کے یوں ہی گزر جاتے ہیں۔

سیر و تفریح کرنا انسان کا فطری جذبہ ہے۔ والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو آسان اور عام فہم زبان میں خدا کی نشانیاں، سمندر، دریا، پہاڑ، جانوروں، پرندوں، پیڑوں، کھیتوں وغیرہ کا مشاہدہ کروائیں کیونکہ یہ سب خدا کی تخلیق ہے۔

بچوں کے لیے سمر کیمپ کا انعقاد بھی کروایا جاسکتا ہے جس میں اہم معلومات بھی طلبا کو دی جاسکتی ہیں۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں بچے یہ سب سیکھ سکتے ہیں:

* پانی پینے اور کھانا کھانے اور دیگر گھریلو آداب
* غریب اور حاجت مندوں کی مدد کرنے کے عملی نمونے بچوں کے سامنے پیش کیے جائیں۔
* اخبار پڑھنے کا شوق پیدا کیا جائے۔
* ڈاک اور کوریئر سے متعلق اہم معلومات دی جائیں۔
* فرسٹ ایڈ کی بنیادی معلومات دی جائیں۔
* صفائی کی اہمیت واضح کی جائے۔
* بجلی بل، ٹیلی فون بل اور دوسرے ضروری کاغذات کی فائل بنانا سکھایا جائے۔
* ڈکشنری کے روزانہ کم از کم پانچ نئے الفاظ سیکھے جائیں۔
* الیکٹرانک آلات و گیس سلنڈر سے متعلق ضروری اور کارآمد باتیں بتائی جائیں۔
* ریزرویشن فارم، بینک چیک اور ڈرافٹ بھرنا سکھایا جائے۔
* کمپیوٹر کی بنیادی معلومات دی جائیں۔
* ریلوے، بس اور ہوائی ٹکٹ کی بکنگ کی ضروری معلومات دی جائیں۔
* چند اہم ٹیلی فون نمبر یاد کروائے جائیں، ٹیلی فون پر الارم لگانا سکھایا جائے۔
* بچوں کے رسالے دکھا کر پڑھنے کی رغبت پیدا کی جائے۔
* اصلاحی و سماجی فلمیں و سیریل دکھایا جائے۔
* ٹریفک قوانین کی معلومات دی جائے۔
* سائیکل چلانا اور تیرنا سکھایا جائے۔
* کوئی ہابی کلاس جوائن کروائی جائے۔

ان نکات پر عمل آوری کی صورت میں بچوں کے اندر فطری صلاحیتیں اجاگر ہوں گی۔ ان کی سوچ مثبت ہوگی نیز انھیں ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔

■

Syeda Fatema Zohra
Principal: Dr. Zakir Husain Junior College
Shahganj,
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

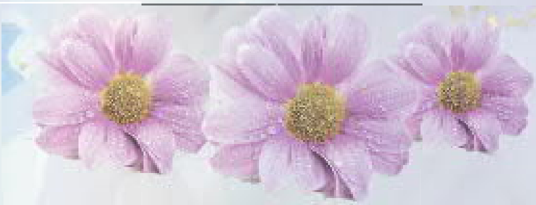

خوشبو بھری باتیں

- جس نے کسی کو اکیلے میں نصیحت کی اس نے اسے سنوار دیا اور جس نے کسی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اسے مزید بگاڑ دیا۔
- اپنا زخم اس کو مت دکھاؤ جس کے پاس مرہم نہ ہو۔
- اپنی نیکی چھپانا آپ کی سوچ کا امتحان ہے اور دوسروں کے گناہ کو چھپانا اپنے کردار کا امتحان ہے۔
- تھوڑا دینے پر شرماؤ نہیں کیونکہ خالی ہاتھ واپس کرنا اس سے خراب بات ہے۔
- دن کو رزق تلاش کرو اور رات کو اسے تلاش کرو جو رزق دیتا ہو۔
- اندھیرا کتنا ہی کیوں نہ ہو روشنی کی ایک کرن اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔
- دو طرح سے چیزیں چھوٹی نظر آتی ہیں۔ ایک دور سے ایک غرور سے۔

■

Md Asad Maqsood Ahmad
S.M.K VIII (B)
Millat Nagar,
Malegaon (Nasik) Maharashtra

اقوالِ زریں

- ایک دانشور سے پوچھا گیا کہ غصہ کیا ہے؟ خوبصورت جواب ملا: ”کسی کی غلطی کی سزا خود کو دینا۔“
- اپنے خیالات کو پانی کے قطروں سے زیادہ پاکیزہ رکھو کیونکہ جس طرح قطروں سے دریا بنتا ہے اسی کی طرح خیالات سے ایمان بنتا ہے۔
- آنکھ دنیا کی ہر چیز دیکھتی ہے مگر جب آنکھ کے اندر کچھ چلا جائے تو اسے نہیں دیکھ پاتی۔ بالکل اسی طرح انسان دوسروں کے عیب تو دیکھتا ہے پر اپنے عیب اسے نظر نہیں آتے۔
- جو اللہ کے دیے ہوئے رزق کو کافی سمجھے وہ زندگی میں کبھی بھی کسی کا محتاج نہیں ہوسکتا۔
- انسان کی بربادی کا وقت تب شروع ہوتا ہے جب اس کے والدین اس کے غصے اور ناراضگی کے خوف سے اپنی ضرورت بتانا اور نصیحت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔
- تمھارا رب ایک ہے پھر بھی تم اسے یاد نہیں کرتے لیکن اس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی وہ تم کو نہیں بھولتا۔
- اگر راستہ خوبصورت ہے تو معلوم کرو کہ کس منزل کو جاتا ہے لیکن اگر منزل خوبصورت ہے تو راستے کی پروا نہ کرو۔

■

Aayesha Siddiqua
VIth.C, Anglo Urdu High School
Rawe, Distt.: Jalgaon - 425508 (Maharashtra)

محراج الدین

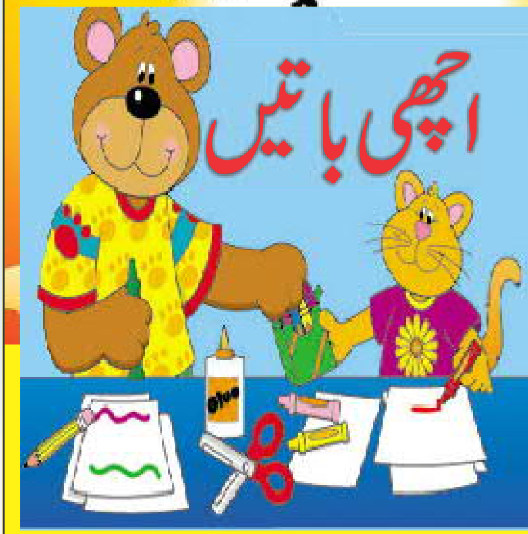

- تین چیزیں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں: لالچ، حسد اور غم انسان کا سب سے بڑا دشمن حسد و لالچ ہے۔
- کسی بھی انسان سے ملو تو پرخلوص انداز سے ملو کہ تمھاری یاد مدتوں اس کے دل میں رہے۔
- اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو وقت اور پابندی کا خیال رکھو۔
- جس بات کا تمھیں پورا علم نہ ہو زبان سے مت کہو۔
- عبادت میں دل کی اور محفل میں زبان کی حفاظت کرو۔
- جو شخص کوئی ایسی بات تم سے منسوب کرے جو تم میں نہیں ہے تو خبردار ہو جاؤ وہ بری بات بھی تم سے منسوب کرسکتا ہے۔
- کسی کو پانے کی تمنا مت کرو بلکہ اپنے آپ کو ایسے سانچے میں ڈھالو کہ لوگ آپ کو پانے کی تمنا کریں۔

■

Peerzada Mehrajuddin
Post Office Sallar (J&K)

نظام الدین بھگونوی

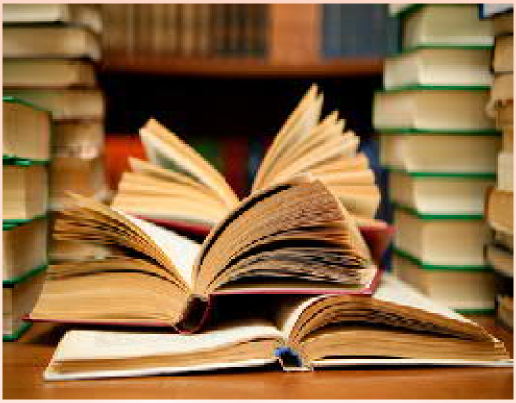

انمول موتی

- علم اور خوف خدا سے عزت ملتی ہے۔
- وقت کی اگر کوئی قیمت ہے تو وہ اس کا صحیح استعمال ہے۔
- عقل مند وہ ہے جسے غصہ دیر سے آتا ہے۔
- جھوٹ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے بھی نہ بولو۔
- باوفا دوست قیمتی ہیرے سے کم نہیں۔
- اچھی کتاب ہی کسی کو اچھا انسان بناتی ہے۔
- ماں باپ کی خوشنودی دنیا میں باعث دولت اور آخرت میں باعث نجات ہے۔
- اگر تمھارا اخلاق اچھا ہے اور تم خوش کلام ہو تو سبھی تم سے محبت کریں گے۔
- اپنی زندگی مختصر خیال کرو اور نیک اعمال کی طرف توجہ مرکوز رکھو۔

■

Nizamuddin Baghaunvi
Shahpur Baghauni
Samastipur - 848131 (Bihar)

وفاداری

بیگ شبکتہ سلیم

چار تتلیاں باغ میں اڑتی پھر رہی تھیں۔
ایک سفید رنگ کی۔
دوسری سبز رنگ کی۔
تیسری زرد رنگ کی۔
اور چوتھی سرخ رنگ کی۔

بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی اور تتلیاں بہت ہی خوش تھیں۔ پھر کیا ہوا کہ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل آئے، پھر وہ گہرے ہوگئے، پھر اور گہرے ہوگئے۔ پھر بوند پڑنی شروع ہوگئی اور آخر موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ تتلیاں پریشان ہوگئیں اور پناہ ڈھونڈنے لگیں۔

پہلے وہ موتیے کے پھول کے پاس گئیں اور کہا کہ تمھارے پاس تہہ بہ تہہ پتیاں ہیں۔ ذرا ان میں پناہ دے دو۔ ہم بھیگتے جارہے ہیں۔ جونہی بارش بند ہوگی ہم چلی جائیں گی۔ موتیے کے پھول نے انھیں غور سے دیکھا اور بولا کہ میں سفید تتلی کو تو پناہ دے دوں گا، کیونکہ وہ میری ہم رنگ ہے مگر باقی تین، جن کا رنگ میرے رنگ سے نہیں ملتا، ان کو میں پناہ نہیں دوں گا، وہ کہیں اور جا کر پناہ لیں۔ یہ سن کر سفید تتلی فوراً بول اٹھی:

''اگر تم میری بہنوں کو پناہ نہیں دیتے تو پھر میں بھی تمھاری پناہ قبول نہیں کرتی۔ میں مصیبت کے وقت اپنی بہنوں کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ رنگ کا کیا ہے۔ یہ تو صرف ظاہری چیز ہے۔ اصل میں تو میں انھیں میں سے ہوں۔

اور چاروں تتلیاں وہاں سے اڑ گئیں۔ اب وہ گلاب کے پاس پہنچیں اور درخواست کی کہ ہمیں اپنے پنکھڑیوں میں تھوڑی دیر کے لیے پناہ دے دو۔ مگر گلاب کے پھول نے بھی انھیں غور سے دیکھ کر ہی کہا کہ میں سرخ تتلی کو تو پناہ دے دوں گا، کیونکہ وہ میری ہم رنگ ہے مگر باقی تین کہیں اور جا کر پناہ لیں۔ سرخ تتلی فوراً بول اٹھی۔

اگر تم میری بہنوں کو پناہ نہیں دیتے تو پھر مجھے بھی تمھاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اپنی بہنوں کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ رنگ کا کیا ہے یہ تو ایک ظاہری چیز ہے، اصل میں تو میں ان ہی میں سے ہوں۔''

پھر وہ گیندے کے پھول کے پاس گئیں اور اس سے پناہ

مانگی مگر گیندے کے پھول نے بھی ویسے ہی کہا کہ میں زرد تتلی کو تو پناہ دے دوں گا مگر باقی کے تین کسی اور جگہ جا کر پناہ لیں، کیونکہ زرد تتلی میری ہم رنگ ہیں۔

زرد تتلی فوراً بول اٹھی: اگر تم میری بہنوں کو پناہ نہیں دیتے تو پھر مجھے بھی تمھاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اپنی بہنوں کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی رنگ کا کیا ہے یہ تو ایک ظاہری چیز ہے، اصل میں تو میں انہی میں سے ہوں۔

پھر انھوں نے سوچا کہ یہ پھول صرف رنگ دیکھتے ہیں۔ چلو چل کر پتوں سے پناہ مانگیں۔ وہ ایک ہرے بھرے درخت کے پاس پہنچیں اور پتوں سے جا کر پناہ مانگی مگر پتے بولے کہ ہم سبز تتلی کو تو پناہ دیں گے کہ وہ ہماری ہم رنگ ہے۔ باقی تین کسی اور جگہ جا کر پناہ لیں۔ اس پر سبز تتلی بول اٹھی۔ مجھے بھی تمھاری پناہ کی ضرورت نہیں میں اپنی بہنوں کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ رنگ تو ایک ظاہری چیز ہے۔ اصل میں تو میں ان ہی میں سے ہوں۔ پھر وہ چلا اٹھیں۔ اللہ سے دعا مانگوں کہ وہ ہمیں پناہ دیں۔

پھر وہ ایک دیوار کے ساتھ جا کر چمٹ گئی اور بھیگتی رہی اور دعائیں کرتی رہی۔ بارش پہلے دھیمی ہوئی پھر آہستہ آہستہ بند ہوگئی۔ پھر بادل چھٹ گئے اور سورج چمکتا ہوا نکل آیا۔ سورج کی گرمی سے تتلیاں خشک ہوگئیں۔ ان کی جان میں جان آ گئی۔ مصیبت کا وقت ختم ہوگیا۔ وہ خوش تھی کہ انھوں نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ پھر ہنستی ہنستی باغ میں اڑنے لگیں۔ جیسے سفید، سرخ، زرد، سبز پریاں ہوں۔

■

Baigh Shabukta Salim
STD: VII, Div.: A,
R.H. Ideal High School, Thane (Maharashtra)

خان صدیق خان سلیم

معلومات

(1) سورج کی شعاعوں میں وٹامن D ملتا ہے۔

(2) وٹامن K کی کمی سے خون جمنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔

(3) ایک صحت مند انسان کو روزانہ 2900 کیلوری کی ضرورت پڑتی ہے۔

(4) مکڑی کے خون کا رنگ سفید ہوتا ہے۔

(5) ٹی۔ بی کے لیے BCG کا ٹیکہ لگاتے ہیں۔

(6) روشنی لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہے۔

(7) الیکٹرک بلب کو آرگان گیس سے بھرا جاتا ہے۔

(8) مقناطیسی کی سوئی شمال کی طرف حرکت کرتی ہے۔

(9) اصلی سونا 24 کیرٹ کا ہوتا ہے۔

(10) گنے کے رس میں سکرو شکر ہوتی ہے۔

■

Khan Siddiqu Khan Saleem
House Nom: 434, Net City ki Bazu mein
Malegaon (Maharashtra)
Nasik

آؤ اردو سیکھیں

بچو! اب تک تم نے جتنے حروف سیکھے ان کو پھر سے دہراؤ

ا

ب	پ	ت	ٹ	ث

अलिफ़

ا

बे	पे	ते	टे	से
ب	پ	ت	ٹ	ث

ان حرفوں سے بننے والے لفظوں کو پڑھو، دیکھو اور یاد کرو۔

इन हर्फ़ों से बनने वाले लफ़्ज़ों को पढ़ो, देखो और याद करो—

'ا' سے انار، انگور، انڈا

'अलिफ़' (الف) से अनार, अंगूर, अंडा

'ب' سے بادل، بندر، بلّی

'बे' (ب) से बादल, बंदर, बिल्ली

'پ' سے پپیتا، پتنگ، پالکی

'पे' (پ) से पपीता, पतंग, पालकी

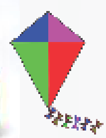

'ت' سے تربوز، تالا، تلوار

'ते' (ت) से तरबूज़, ताला, तलवार

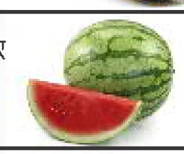

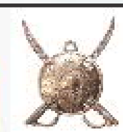

'ٹ' سے ٹماٹر، ٹوپی، ٹرین

'टे' (ٹ) से टमाटर, टोपी, ट्रेन

'ث' سے ثمر

'से' (ث) से समर

اظہر نیر

شراب کی لت

رام دین شہر میں رکشا چلا کر اپنے کنبہ کی پرورش کرتا تھا۔ روزانہ سو دو سو روپے کمایا کرتا تھا۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھی رکشا چلانے والے شرابی ساتھی کے صحبت میں رام دین کو بھی شراب کی لت لگ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ روزآنہ اپنی بیوی سے جھگڑا کرتا رہتا تھا۔ شراب کی لت کی وجہ سے آمدنی بھی کم ہوگئی، سو روپیہ کا روزآنہ شراب پی جاتا۔ گھر کے خرچ میں کمی ہونے لگی، بچے بھوکے رہنے لگے۔ بیوی پیسہ مانگتی تو اس کو مارنے لگتا تھا، روزآنہ جھگڑے اور مار پیٹ کی وجہ سے ایک روز رام دین کی بیوی چار سالہ لڑکا اور دو سال کی لڑکی کو چھوڑ کر کہیں بھاگ گئی، رام دین دو تین روز تک انتظار کرتا رہا، کہ آجائے گی مگر وہ نہیں آئی۔ پھر اس نے پورے شہر میں تلاش کیا مگر نہیں ملی—— رام دین سویرے دودھ پاپا بسکٹ لایا اپنے دونوں بچوں کو کٹورا میں دودھ اور پاپا بسکٹ دیا اور کہا کہ تم دونوں کھا کر گھر میں رہنا!

رام دین نے رات کی بچی ہوئی شراب پی لی۔ اسی درمیان ایک کتا زور سے بھونکتے ہوئے بھاگا تو بچی کے ہاتھ سے دودھ کا کٹورا زمین پر گر گیا اور دودھ زمین پر بہہ گیا اور لڑکا بھی ڈر گیا، اس کا بھی دودھ گر گیا، رام دین شراب کی نشہ میں تھا ہی غصہ آگیا، دونوں بچوں کی پٹائی کر دی۔ مار کے ڈر سے دونوں باہر جا کر بیٹھ گئے۔

رام دین اپنا رکشا لے کر بازار کی طرف نکل گیا۔ رام دین قریب 2 بجے گھر آیا تو اس کے دونوں بچے غائب تھے، کافی تلاش کے باوجود نہیں ملے۔ رات بھر اس نے انتظار کیا۔ صبح کو اسٹیشن، بس اڈہ وغیرہ جگہوں پر تلاش کیا مگر وہ دونوں نہیں ملے۔

رام دین بچوں کی وجہ سے کافی پریشان تھا، پہلے بیوی بھاگ گئی۔ اب بچے۔ پریشانی کی حالت میں اور شراب پینے لگا۔ بیوی بچوں سے نا اُمید ہو چکا تھا۔ ایک روز رام دین خوب شراب پی کر رکشا چلا رہا تھا۔ دوسرے روز محلّہ میں خبر ملی، رکشا والا رام دین شراب کے نشے میں دھت ہو کر ایک ٹرک سے ٹکرا گیا اور اس کی موت ہوگئی!

بچو! دیکھا شراب کی لت نے پورے ایک کنبے کو برباد کر دیا۔ شراب کی لت نہیں ہوتی تو آج رام دین کا کنبہ برباد نہیں ہوتا۔ شراب اور کوئی بھی نشہ ایک لعنت ہے۔ نشے سے سبھی کو دور رہنا چاہیے۔

■

Azhar Nayyar Noori
Urdu Markaz Village & PO Bhrhulia
Viakansisimri,
Distt.: Darbhanga - 847106 (Bihar)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

فری فاطمہ

تعلیم کی عظمت

چندن پور گاؤں میں رہنے والے رسول خاں کے خاندان میں اُن کی بیوی کے علاوہ تین بیٹیاں تھیں اور اُن کے پڑوسی چراغ دین کے دو لڑکے ہی تھے۔ ابھی سب بچے چھوٹے تھے۔ رسول خاں اپنی تین لڑکیوں کے بارے میں سوچ کر اکثر اداس ہو جاتے، وہ اپنے آپ کو بدنصیب سمجھتے لیکن اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے کہ بیٹیاں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں اُن سے بھید بھاؤ اللہ کو پسند نہیں اُن کی بھی اچھی پرورش کرنی چاہیے اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ اُدھر چراغ دین اپنے دونوں لڑکوں کا سوچ سوچ کر خوش ہوتا اور اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کرتا۔ اُس کو ابھی سے کوٹھی اور کار کے خواب آنے لگے جس کو اکثر وہ ہوٹل میں چائے پیتے اور گپ ہانکتے ہوئے بیان کرتا۔ وقت کے ساتھ بچے بھی بڑے ہوتے گئے اور سب بچوں کا گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخلہ کرا دیا گیا۔ چراغ دین کے لڑکے جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے اُن کی شرارتیں بھی بڑھتی گئیں جس سے اسکول اور گاؤں والے پریشان رہنے لگے۔ روز روز لڑکوں کی شکایتیں سنتے سنتے چراغ دین پریشان ہو گئے اور انھوں نے تنگ آ کر اپنے لڑکوں کو اپنی بہن کے پاس شہر بھیج دیا۔ وہاں اُن کی بہن نے ایک لڑکے کو ہوٹل پر صفائی وغیرہ کے کام پر لگا دیا اور دوسرے لڑکے کو چراغ دین کے بہنوئی نے اپنی سائیکل پنکچر کی دوکان پر رکھ لیا۔ مہینے بھر کی محنت کے بدلے جب دو، چار سو روپے دونوں لڑکوں کو ملتے تو وہ اُس کو ہی بہت سمجھتے اُس میں سے کچھ وہ خرچ کرتے اور کچھ اپنے باپ چراغ دین کو دے دیتے۔ چراغ دین بھی اطمینان کی سانس لیتے۔

رسول خاں کی لڑکیاں محنت و لگن سے پڑھتی رہیں۔ سکینہ جو بیٹیوں میں سب سے بڑی تھی اس نے بہت محنت سے پڑھائی کی اور ڈاکٹر بن گئی۔ گاؤں والوں کی خدمت کی غرض سے اُس نے گاؤں میں ہی کلینک کھول لیا جس سے گاؤں والے بہت خوش ہوتے اور ہر وقت ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ رسول خاں کو بھی دعائیں دیتے۔ دوسری بیٹی امینہ نے بی۔ اے پاس کر کے فیشن ڈیزائننگ کا کورس کر لیا اور اپنے قصبہ میں بوٹیک کھول لیا وہ دوسرے دوکانداروں کے بہ نسبت کم اُجرت پر کام کرتی جس سے اُس کے پاس ہمیشہ خوب کام رہتا اور دوسروں سے زیادہ آمدنی ہوتی اور سب سے چھوٹی بیٹی شبینہ نے پورے صوبہ میں انٹرمیڈیٹ میں ٹاپ کیا تو صوبہ کے وزیراعلیٰ نے اُس کو ایوارڈ اور نقد انعام دیا اور وزیراعظم کی طرف سے اُس کی آگے کی پڑھائی کی ذمہ داری لی گئی اور اُس کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا۔

اپنی بیٹیوں کی ترقی دیکھ کر رسول خاں اب بہت خوش رہتے اور دوسروں سے بتاتے کہ بیٹی بھی خدا کی نعمت ہے ہم کو ان کی پرورش اور تعلیم میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیے۔

ہنسی کے غبارے

عید کے دن شاہد اپنے دوست رشید سے ملنے گیا۔ شاہد نے رشید سے پوچھا اور سناؤ یار کتنے روزے رکھے؟

رشید نے جواب دیا: یار کیا بتاؤں بہت بیمار تھا میں۔ ڈاکٹر نے غذا کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس لیے میں ایک بھی روزہ نہ رکھ سکا۔ اچھا عید کی نماز تو ضرور پڑھی ہوگی؟ رشید نے جواب دیا: نماز کیسے پڑھتا۔ بستر سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

شاہد نے پھر پوچھا: اچھا یہ بتاؤ سویاں بھی کھائیں یا وہ بھی نہیں کھا سکے؟''

رشید نے جواب دیا۔ بتاؤ سویاں بھی نہ کھاتا۔ اب کیا بالکل بے یمان سمجھ لیا ہے

بھکاری: بابو جی اس لاچار کی مدد کریں۔

آپ ایک پیسہ دوگے تو اوپر والا دس لاکھ دے گا۔

بابو جی: تمھارے ہاتھ پیر، کان، آنکھ، سبھی ٹھیک ہیں۔ تم کیسے لاچار ہو۔

بھکاری: جی میں ماڈرن ہوں اور عادت سے لاچار ہوں۔

ڈاکٹر: آپ میرے کہنے کے مطابق کمرے کی کھڑکیاں کھول کر سوئے تھے یا نہیں؟

مریض: جی ہاں کھڑکیاں کھول کر ہی سویا تھا۔

ڈاکٹر: تب تو آپ کا زکام غائب ہوگیا ہوگا۔

مریض: جی نہیں لیکن گھر کا سامان ضرور غائب ہوگیا۔

ماں: بیٹے آج تیری بہن بہت خاموش بیٹھی ہے۔ بہت دیر سے کچھ بول ہی نہیں رہی ہے۔

بیٹا: ماں! بہن کو لپ اسٹک لگانی تھی میں نے لپ اسٹک کی جگہ فیوی اسٹک رکھ دی تھی۔

نوکِ چپ چپ... نوک جھِک جھِک

مالک (نوکر سے) ان سارے مچھروں کو ماردو۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا

تم نے ان کو مارا نہیں؟ ان کی بھنبھناہٹ سن کر میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔

نوکر: صاحب مچھروں کو تو میں نے کب کا مار دیا ہے۔ یہ تو ان کی بیوائیں ہیں جو ان کی یاد میں سسکیاں بھر رہی ہیں۔

خان اقصیٰ نعیم درجہ ہشتم (الف)، رضوان حارث آئیڈیل ہائی اسکول، رابوڑی تھانہ

محمد حذیفہ، درجہ ششم، سیفٹی پبلک اسکول، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی 25

فردین شیخ یوسف درجہ 1، مولانا آزاد اردو جونیر کالج، شیر پور

چودھری ارمان حسین، درجہ ہشتم (الف)،
رضوان حارث آئیڈیل ہائی اسکول، رابوڑی تھانہ

منصوری مسکان کرلا نوشاد، درجہ ہشتم (الف)،
رضوان حارث آئیڈیل ہائی اسکول، رابوڑی تھانہ

حمیرہ ناز شفیق احمد، درجہ ششم، سویس ہائی اسکول، مالیگاؤں، ضلع ناسک

محمد فیض، درجہ ششم، سنوبے اسکول، رامپور

صباء شاہین، خورشید احمد، درجہ ہفتم، ضلع ناسک، نگلیشر نگر، مالیگاؤں

ثناء شبنم، درجہ سوم، پارل تو تا، ملاپرم، کیرالا

رابعہ، درجہ ہفتم، بڑی برہمنا، ضلع سامبھا: جموں (جموں اینڈ کشمیر)

ہما نی جان مخدومی، درجہ پنجم، اسباب پبلک اسکول، کھریون اننت ناگ، کشمیر

عائذ بدل مخدومی، درجہ دو، محمدیہ ماڈل اسکول، کھڑی بانہال، کشمیر

عائشہ زریں بنت ریاض احمد، درجہ: ہشتم، ولیج: نیند پوسٹ
چندان پٹی، تھانہ: رونا پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

سمیر شاہ خلیل شاہ، درجہ: ہشتم، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

طیبہ عبدالقیوم شیخ، درجہ: اوّل، صدیق اردو پرائمری اسکول، بدناپور

فریدہ الیمن، درجہ: چہارم، اسمارٹ کڈس اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

زہرہ جبین مخدومی، درجہ: پنجم، احباب میموریل پبلک اسکول، کھریون، اننت ناگ، کشمیر

شیخ عائشہ عفت، برکت منزل، روم نمبر 2، ہنومان روڈ، آئی آئی ٹی مارکیٹ، پوئی ممبئی، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

میں عرشیہ بی شیخ اسحٰق ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اس نے مجھے کہانیاں لکھنے کا شوقین بنا دیا ہے۔ میں نے بھی کئی کہانیاں لکھی ہیں۔

عرشیہ بی شیخ اسحٰق، گورنمنٹ اردو اسکول، برہان پور، مدھیہ پردیس

میرا نام کے زینہ انشراح ہے۔ میں درجہ سوم کے اینچ میٹری کلیشن اسکول میل وشارم کی طالبہ ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ مجھے اس میں کہانیاں اور نظمیں بہت پسند ہیں۔

زینہ انشراح، 80 بازار، گلی رانی پیٹ، تمل ناڈو

مجھے آپ کا خوبصورت رسالہ 'بچوں کی دنیا' بہت پسند آیا ہے۔ میں نے یہ رسالہ پہلی دفعہ اپنے اسکول میں دیکھا تھا۔ تب ہی سے یہ رسالہ میرے دل میں جگہ بنا چکا ہے۔

شیخ عائشہ عظمت، برکت منزل، آئی آئی ٹی مارکیٹ، پوئی ممبئی 76

میرا نام تحریم فاطمہ ہے۔ میں اپنے گاؤں مجلا پور کے ضلع پریشد اسکول میں درجہ چار کی طالبہ ہوں۔ ہمارے اسکول کی میڈم و تمام اساتذہ خاص کر رفیق سر بہت محنت سے پڑھاتے ہیں۔ میں روزانہ مدرسہ میں دو گھنٹہ پڑھتی ہوں جس میں ہمارے عالم صاحب حضرت مولانا محمد زاہد علیمی تمام بچوں کو قاعدہ، سپارہ، قرآن پڑھانے کے ساتھ ساتھ تربیت دینے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ غسل، وضو، نماز وغیرہ تمام دینی ضروری باتیں ہم سب کو سکھاتے ہیں جس کی وجہ سے ابھی سے ہم کو نماز کی دعائیں مکمل کلمے دس سورہ وغیرہ زبانی یاد ہوگئے ہیں۔ میں ٹیوشن بھی علیمی صاحب ہی کے پاس پڑھتی ہوں۔ عالم صاحب ہی 'بچوں کی دنیا' ہر ماہ ہمیں دیتے ہیں۔

تحریم فاطمہ بنت شیخ قیام الدین، مدرسہ اہل سنت کنزالایمان، اکولہ، مہاراشٹر

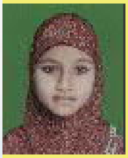

میرا نام انم الفیہ ہے۔ میں ضلع پریشد اسکول مجلا پور کے درجہ چہارم میں پڑھتی ہوں۔ میں اسکول میں اول نمبر پر ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' بہت خوبصورت ہے اور مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔

انم الفیہ بنت شیخ صلاح الدین، مدرسہ اہل سنت کنزالایمان، اکولہ مہاراشٹر

مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ 'ہماری زبان' کے عنوان سے اچھا تعلیمی سلسلہ شروع کیا جسے ہم اپنی کاپی میں لکھ لیتے ہیں۔

پرویز خان، درجہ: چہارم، تہذیب اردو اسکول، چالیس گاؤں، ضلع جلگاؤں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

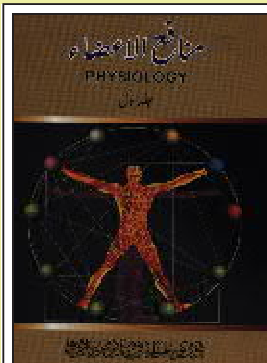

صفحات: 581، قیمت: 445 روپے

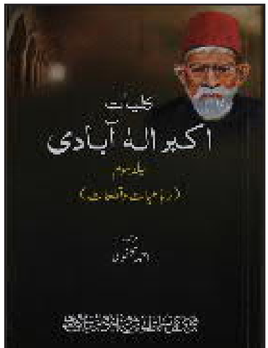

صفحات: 377، قیمت: 170 روپے

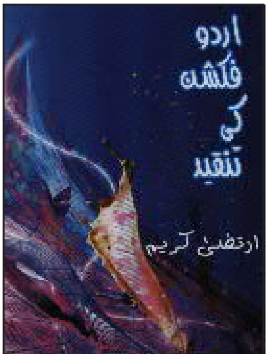

صفحات: 545، قیمت: 220 روپے

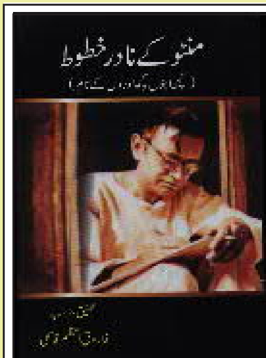

صفحات: 82، قیمت: 55 روپے

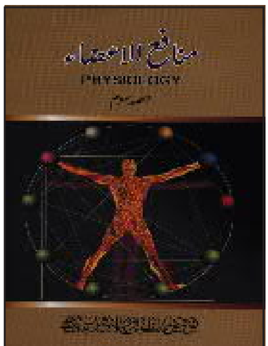

صفحات: 408، قیمت: 325 روپے

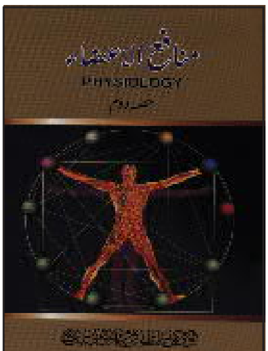

صفحات: 269، قیمت: 220 روپے

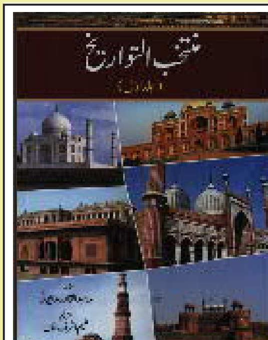

صفحات: 123، قیمت: 77 روپے

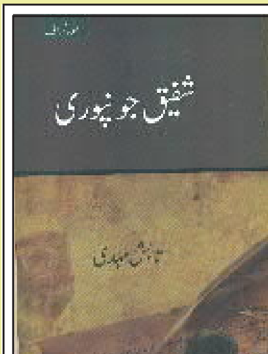

صفحات: 120، قیمت: 75 روپے

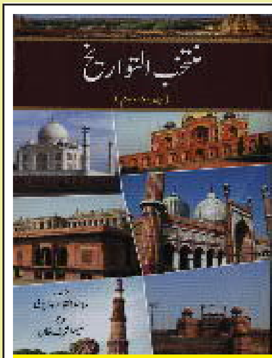

صفحات: 215، قیمت: 75 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2017, Vol. 05, Issue: 6
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/17
Date of Dispatch : 12 and 13 of advance Month

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

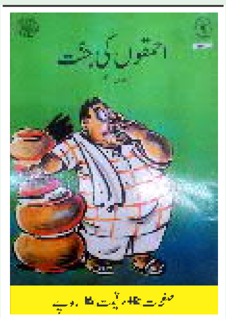

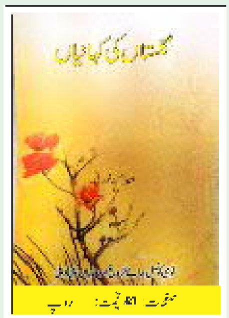

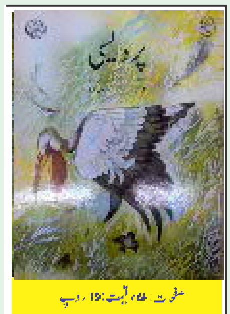

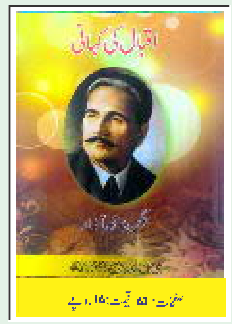

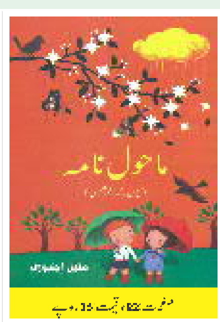

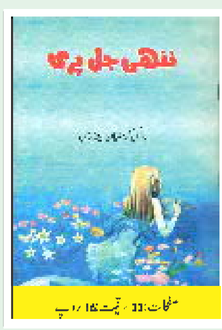

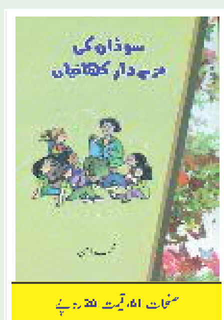

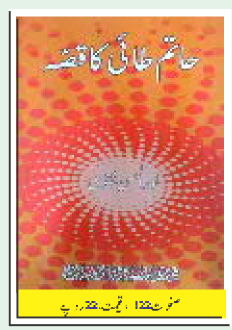

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.